علاماتِ ایمان

مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
خلف مجاز حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی

باہتمام
حافظ محمد رزین اشرف ندوی

علاماتِ ایمان

مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
خلف مجاز حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی

باہتمام

حافظ محمد رزین اشرف ندوی

نام کتاب	:	علاماتِ ایمان
نامِ مؤلف	:	مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی
ناشر	:	مولانا حافظ محمد رزین اشرف ندوی
اشاعتِ ثالث	:	مارچ ۲۰۰۹ء
تعداد	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۹۶
قیمت	:	
کمپیوٹر کمپوزنگ وسرورق	:	مدنی گرافکس، پونہ
طباعت	:	اسٹیپ اِن سرویسز، قصبہ پیٹھ، پونہ

ملنے کے پتے

- مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی (0097143550426)
  امام مسجد الحستبور بلڈنگ، بر دبئ، امارات العربیہ، دبئ
- حضرت مولانا امین اشرف (ادارہ دعوۃ الحق)(09934453995)
  مادھوپور، سلطان پور، پوسٹ ٹھاہر، ضلع سیتامڑھی، بہار
- محمد سلمان اشرف فہمی ابن مولانا محمد رزین اشرف ندوی
  92، سیما منزل، جونا توپ خانہ مسجد، شیواجی نگر، پونے ۴۱۱۰۰۵
  Ph.: 020-25538673, 9370187569
- مدنی گرافکس
  شاپ نمبر ۵، انامئے بلڈنگ، ۳۰۵، سوموار پیٹھ، پونے-۱۱ (26122855)

فہرست

عرضِ ناشر (تیسرا ایڈیشن)

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ، اما بعد!

حدیث شریف میں ایمان کی ستّر سے کچھ زائد علامتیں بتلائی گئی ہیں۔ اُن علامتوں کی احادیثِ رسول ﷺ میں جگہ جگہ نشان دہی بھی فرمائی گئی ہے۔ علمائے اسلام نے اس موضوع پر قابلِ ستائش محنتِ شاقہ سے شعبہ ہائے ایمان کو کئی کئی ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے لیکن اُردو کا دامن اس سے خالی تھا۔ ضرورت تھی ان علامتوں کو یکجا کردیا جائے تاکہ مختصراً ایمان کی تفصیل و تشریح بآسانی معلوم ہوسکے نیز مسلمانوں کے سامنے یہ حقیقت بھی واشگاف ہوجائے کہ چند اعمال کرلینے سے بندۂ مومن کامل اور مخلص مسلمان نہیں ہوجاتا بلکہ کمالِ ایمان کے لے ستّر سے زائد اعمالِ ایمان ضروری ہیں۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے　　　لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اللہ تعالیٰ نے اس سعادت سے بہرہ ور فرمایا برادرِ گرامی قدر عالم ربّانی مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی حفظہ اللہ کو جنھوں نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور مختصراً ایمان کی علامتوں کو عام فہم اور آسان اسلوب میں مرتب کردیا۔ اس طرح یہ کتاب (علاماتِ ایمان) پہلی کتاب بن گئی ہے جو اُردو زبان میں زیورِ طبع سے آراستہ ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ علاماتِ ایمان کا یہ تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پہلا اور دوسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اہلِ علم اور صاحب مطالعہ اشخاص نے کتابِ ہٰذا کے تعلق سے بہتر تاثرات دیے۔ ہم مؤلف محترم کے ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کتاب ہٰذا کے لیے اپنے تاثرات قلمبند فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کتابِ ہٰذا سے اپنے بندوں کو فائدہ پہنچائے اور یہ کاوش مؤلف و ناشر کے لیے ذریعہ فلاحِ دارین بنائے۔

پونہ

(مولانا) **حافظ محمد رزین اشرف ندوی**

خادم الکتاب والسنہ

عرضِ مؤلف

حق جل مجدہ کا احسان وشکر جس زبان سے بھی ادا کروں وہ کم ہے کہ اس نے مختصر شعب الایمان (ایمان کی علامتیں) قلم بند کرنے کی توفیق دی۔ عرصۂ دراز سے دل میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ مختصر شعب الایمان کہیں مل جائے اور اس کے مطالعہ سے ایمانی علامتیں یکجا کر لی جائیں۔ چنانچہ مسقط میں اپنے ایک دوست عالم ربّانی وحقانی مولانا یوسف افشانی حفظہ اللہ کے یہاں کتاب مل گئی۔ ناچیز نے جب اس کا مطالعہ کیا تو کتاب کو مختصر ہونے کے باوجود ہمہ گیر پایا۔ چنانچہ اپنی یادداشت کے لیے اختصار کے ساتھ کچھ باتیں محفوظ کر لیں۔ میری اس یادداشت پر بعض مخلص دوستوں کی نظر پڑی، اور ان کی طرف سے اصرار ہوا کہ اس کو مرتب کر کے شائع کر دیا جائے۔ دوستوں نے اس پر بار بار اصرار کیا لیکن اپنی کم مائیگی کے سبب چاہتے ہوئے بھی ہمت نہ ہوتی کہ اس ہیچ یادداشت کی کاپی برادرِ عزیز مولوی حافظ محمد رزین اشرف ندوی نے بہ اصرار لے لی۔ مواد کی اہمیت اور اس وقت مسلمانوں میں ایمان کے شعبوں کی نشر و اشاعت کی ضرورت پر وہ مجھے متوجہ کرتے رہے۔ اب یہ کتاب ان ہی کی سرکردگی میں چھپ کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مسلمانوں کے نفعِ عام کی غرض سے زبان عام فہم سیدھی سادی استعمال ہوئی ہے، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہؐ کے ترجمے میں ادائے مفہوم کی کوشش کی گئی ہے۔ نقلِ آیات کا تو اہتمام کیا گیا ہے لیکن احادیثِ پاک کے صرف ترجمہ ومفہوم پر اکتفاء کیا گیا ہے تاکہ ضخامت سے بچا جاسکے۔ ایمان کی ستّر سے اوپر شاخوں اور علامتوں کو نمبروار ترتیب سے بیان کیا گیا ہے تاکہ ایمانیات کو ذہن نشین کرنے والے آسانی سے ذہن نشین کر لیں۔ قارئین تدریجاً مطالعہ کر لیں، خطباء ومقررین نمبروار مسلمانوں کو مطلع کر سکیں، انفرادی و اجتماعی اور گھریلو تعلیم میں سبقاً سبقاً پڑھا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید قوی ہے کہ کتاب عمومی نفع بخش رہے گی۔ آخر میں علماء، خطباء، قارئین، مقررین سے استدعا ہے کہ اگر کہیں کوئی فروگزاشت یا خامی ہو تو حسنِ نیت کے ساتھ مطلع فرمادیں تاکہ اگلی طباعت میں خیال رکھا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

(مفتی) **محمد ثمین اشرف قاسمی**

تاثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونصلی علی رسولہ الکریم !

صوبۂ بہار کے سب سے عظیم وکامیاب شاعرِ خوش کلام جناب کلیم احمد عاجز صاحب سے خلیج اور حجاز مقدس کے ان کے بعض مداحوں نے سعودیہ میں مستقل قیام پذیر ہوجانے کی گزارش کی تو موصوف نے مدینۂ رسول میں اپنے کئی عشروں کی بالاستیعاب حاضری اور اس دیار سے والہانہ بلکہ مجنونانہ تعلق کے باوجود مستقل قیام کی بات کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں ایک شعر کے ذریعے ٹال گئے۔

مجھ کو صحرا کے جھونکے میں ہے عافیت گلستاں کی فضا معتبر ہی سہی

دیر میں رہ کے عاجز مجھے فخر ہے میں مسلمان تو ہوں بے عمل ہی سہی

اس کے برعکس بہار کے ہی ایک علمی دینی خانوادہ کے روشن چشم و چراغ اور علمائے ہند کی دوسری نسل میں فائق وممتاز حیثیت کی حامل شخصیت مکرم ومحترم جناب مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب قاسمی سے ہمیں شکوہ یہ ہے کہ انھوں نے صنم کدۂ ہند کو عین ان ایام میں الوداع کہہ کر ریگزارِ عرب کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنالینا منظور کرلیا جبکہ ان کی ضرورت اس کفرستان میں کہیں زیادہ تھی۔ یہاں ان کی ذاتِ گرامی سے علم وفن کے نت نئے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین ایک زبردست عالمِ دین سے متعارف ہورہی تھی۔ ملک کے طول وعرض میں عام وخواص کی نگاہیں ان کی طرف کھنچ رہی تھیں اور طالبانِ شریعت کی توجہ ان کی جانب مبذول ہورہی تھی لیکن .....!تجری الریاح بما لا تشتھی السفن۔

مگر بڑی ہی خوش آئند بات یہ بھی ہے کہ خلیج کی وہ ریاستیں جہاں قیام پذیر ہوکر کسی انسان کا علم وفن کی آبرو برقرار رکھنا اور تحقیق وتالیف کی شمع جلائے رکھنا ایک نادر الوقوع چیز ہے،

ہمارے موصوف اس میدان میں بھی ممتاز رہے کہ 'سیال سونے' کی چمک دمک نے ان کی نگاہوں کو خیرہ نہیں کیا اور وہاں بھی انھوں نے بحرِ علم کی غواصی کو ہی اپنی زندگی کا نصب العین بنائے رکھا۔ پیش نظر تالیف 'علاماتِ ایمان' اسی سلسلے کی ایک جیتی جاگتی زرین تصویر ہے۔

مغربیت اور لادینیت کے عالم گیر سیلاب کی زد میں آکر اکثر لوگوں نے دین و ایمان کو صرف نماز، روزہ اور چند عبادات میں منحصر سمجھ رکھا ہے۔ معاملات، حقوقِ باہمی، عادات، آداب، معاشرت، عفت و امانت، ایثار و اخوت، خودشکنی و ہمدردی، عدل و انصاف، رحم دلی اور محبت کے تعلق سے عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ دین و ایمان کا کوئی جزو ہی نہیں۔ ایسے حالات میں ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی جس میں عام فہم اور سلیس زبان میں علاماتِ ایمان سے متعلق آیات و احادیث کو جمع کر دیا جائے۔ حضرت موصوف نے یہ قابلِ قدر مجموعہ تالیف کر کے اُمت کی ایک بڑی ضرورت پوری کی ہے۔

میں برادر مکرم جناب مولانا محمد رزین اشرف ندوی صاحب کا جو ہندوستان میں مفتی صاحب موصوف کے ترجمان اور ان کے اشاعتی امور کے نگراں اور مشیر ہیں، مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھ جیسے بے بضاعت کو مسودہ کے مطالعہ کی سعادت میں شریک کیا جو کتاب کی خدمت سے زیادہ خود راقم کے لیے باعثِ سعادت و موجبِ برکت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب سے مسلمانوں کے سوئے ہوئے ایمانی جذبات میں تموّج و اضطراب پیدا ہو اور اس سے بے بہا دینی و ایمانی فائدے حاصل ہوں اور اس کتاب کو لکھنے والے اور پڑھنے والوں کے لیے نافع اور نجات کا ذریعہ بنائے اور حسنِ قبول عطا کرے۔

(مولانا) **محمد مہتاب عالم قاسمی**
شیخ الحدیث
دارالعلوم الفضل، جوہاپورہ، احمد آباد، گجرات

مقدمہ

ایمان ایک ایسی کیفیت ہے جو مخلوق کو خالق سے مربوط اور عبد و معبود کے درمیان تعلق کو پختہ اور استوار کرتی ہے، ایمان کی پختگی بندے کو بندگی میں پختہ بنا کر جہاں اس کے عقائد و نظریات کو درستگی کی سمت عطا کرتی ہے وہاں اعمال میں بھی صحیح راہ دِکھاتی بلکہ مرضئ مولیٰ کے مطابق زندگی گزارنے پر مومن کو راغب کرتی ہے۔

ایمان بسیط ہے یا مرکب اور اس کے اجزا ہیں تو کیا ہیں؟ ان کلامی بحثوں سے قطع نظر احادیث میں ایمان کی علامات، اس کے مقتضیات اور ایمان کے مختلف درجات اور شعبوں پر تفصیلی مواد ملتا ہے۔ ابنِ ماجہ کی ایک روایت کے مطابق ایمان کے ساٹھ یا ستّر سے کچھ اوپر شعبے ہیں جن میں سب سے افضل توحید کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ ہے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کے دور کرنے کا۔

علمائے محدثین نے ایمان کے شعبوں اور مختلف درجات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں شعب الایمان للبیہقی سب سے اہم ہے۔ اُردو میں اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیزی مفتی محمد ثمین اشرف سلّمہٗ کو جنھوں نے شعب الایمان کو سامنے رکھ کر اس سلسلے کی تمام ضروری تفصیلات کو یکجا کر دیا ہے۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیت کے ساتھ ساتھ سلیقہ اور ذوقِ سلیم بھی عطا فرمایا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی یہ کتاب عوام و خواص سب کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ کتاب کی ترتیب و تزئین میں ان کے برادرِ خورد عزیزی مولانا محمد رزین اشرف ندوی کی کاوشیں بھی شامل ہیں اور ناشر بھی وہی ہیں۔ اللہ پاک ان دونوں حضرات کی یہ کاوشیں قبول فرمائے اور کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازنے کے ساتھ ساتھ عند الناس مقبول اور ان کے لیے نافع بنائے۔ لکھنے، لکھانے، چھاپنے چھپوانے والوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین، ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

(مفتی مولانا) **عزیز الرحمٰن** عفی عنہ

نائب صدر بزمِ صدیق بمبئی، مفتئ اعظم مہاراشٹر

علاماتِ ایمان

ایمان باللہ ایمان کی پہلی علامت

(ا) ایمان کی اساس و بنیاد اور اہم ترین جز ایمان باللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور غیب کی وہ تمام باتیں جو ہم تک کتاب و سنت کے ذریعے پہنچی ہیں ان کو تسلیم کرنا، اللہ کے حکموں کو پورا کرنا، اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے روکا ہے اس سے بچنا ہے۔ ایمان باللہ میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ" (سورۂ بقرہ، ۲۸۵)

اور مومنین بھی ایمان رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ۔

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ" (سورۂ نساء، ۱۳۶)

اے ایمان والو! تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے سرمایۂ جاوید عقیدہ، ایمان باللہ کو بیان کیا ہے جبکہ پہلی آیت میں مومنین کی صفت بیان کی گئی ہے اور دوسری آیت میں مطالبہ اور تاکید کی گئی ہے ایمان باللہ کی۔ یہ تحصیل حاصل والی بات نہیں بلکہ کمالِ ایمان اور اس پر قرار و استقامت کا حکم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں۔ پس جس نے لا الٰہ پڑھ لیا اس کی جان مال میری جانب سے محفوظ ہے۔ مگر اس کے حقوق کے ساتھ اس کا حساب اللہ پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(لفظ 'اللہ' ساری کائنات کے خالق و مالک اور معبود کے لیے مخصوص ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے بنفسِ نفیس اپنی ذات پاک کے لیے اس کا انتخاب فرمایا ہے جس کے معنی معبود برحق کے ہیں۔ لفظ 'تعالیٰ' اللہ کی تعظیم و تعریف کے لیے اور اُسے صفتِ علو و پاکی سے متصف کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ (رالف ن)

ایمان کی دوسری پہچان ایمان بالرسول ﷺ

(۲) تمام نبیوں اور رسولوں کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا، عقیدۂ ایمان کا رکنِ ثانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر انبیاء و رسل دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے وہ سبھی اللہ تعالیٰ کے مقرب پیغمبر ہیں۔ ان کی تمام باتیں سچی اور ذریعۂ ہدایت ہیں۔ وہ سب قابلِ احترام ہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت و نبوت قیامت تک کے لیے ہے، اب کوئی دوسرا رسول و نبی نہیں آئے گا۔ آپ خاتم الرسل ہیں۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ الغرض تمام نبیوں، رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ الْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ" (بقرہ، ۲۸۵)

اور مومنین سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ۔

حدیثِ جبرئیلؑ میں وضاحت ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ ایمان کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: عقیدہ رکھنا اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور آخرت کے دن پر اور اس بات پر کہ اچھی یا بری تقدیر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ (بخاری و مسلم)

مذکورہ حدیث پاک میں اسلام کی تعریف حضور ﷺ نے یہ فرمائی: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کا اقرار کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا، قدرت و استطاعت کے بعد حج بیت اللہ کے لیے جانا۔

ایمان کی تعریف میں ارشاد فرمایا: اللہ پر، فرشتوں پر، آسمانی تمام کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت کے دن اور تقدیر پر عقیدہ رکھنا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوا۔ اسلام زبان سے اقرار کرنا ہے اور ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے یعنی اسلام ظاہری اعمال ہے جبکہ ایمان باطنی اقرار و عقیدہ ہے۔

ایمان بالملائکہ ایمان کا تیسرا رکن

(۳) فرشتوں کے وجود کا عقیدہ رکھنا ایمان کا تیسرا رکن ہے۔

فرشتے حق تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہیں۔ کھاتے پیتے نہیں، نہ ہی ان سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ان کے مقام میں بھی زیادتی نہیں ہوتی۔ روزِ اوّل فرشتوں کو جن صفات کے ساتھ اور جن رتبوں کے ساتھ وجود بخشا گیا وہ اسی پر ہیں اور جن کاموں کے لیے ان کو پیدا کیا گیا اسی میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا فرمایا ہے۔ جن کی تعداد غیر معمولی ہیں۔ ان میں مشہور چار فرشتے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ فرشتوں کی صحیح اعداد و شمار کوئی نہیں جانتا۔ کچھ تو آسمانوں میں ہیں اور کچھ انسانوں کے مختلف اُمور کی انجام دہی کے لیے معمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" (سورۂ تحریم، ٦)

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی، جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔

یعنی نہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس کے احکام بجالانے میں سستی۔

آسمانی کتابوں پر ایمان

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف اوقات میں بہت سی کتابیں اور صحیفیں نازل فرمائی ہیں۔ ان پر عقیدہ رکھنا کہ وہ حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں جزوِ ایمان ہے۔ قرآن مجید آخری کتاب ہے۔ عمل کے اعتبار سے اب صرف آخری کتاب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ اور بقیہ کتبِ مقدسہ کی تصدیق کرنی ہے بالکل اسی طرح جس طرح تمام انبیاء و رسل برحق ہیں، مگر اب صرف راہِ نجات محمد ﷺ کی اتباع پر منحصر ہے۔ اسی طرح تمام کتب و صحائف میں صرف قرآن مجید ابدی نجات کا ضامن ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتَابِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتَابِ الَّذِىْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔" (سورۂ نساء، ۱۳۶)

اے ایمان والو! تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور اس کی کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اس زمانے کا (یعنی میرے وقت اور میرے بعد قیامت تک) کوئی یہودی و نصرانی اور کوئی دین والا میرا حال سنے اور ایمان نہ لائے اس پر جس کو میں دے کر بھیجا گیا ہوں (یعنی قرآن) وہ جہنم میں جائے گا۔

ایمان بالقدر ایمان کا عظیم الشان رُکن

(۵) ایمان بالقدر سے مراد اچھی یا بری تقدیر حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا من جملہ ارکانِ ایمان ایک اہم رکن ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کی ہر چیز اور بندوں سے ہونے والے سارے اعمال کا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے علم ہے اور یہ ساری باتیں اس کے پاس لوحِ محفوظ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جس چیز کو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی چیز کے ہونے نہ ہونے میں انسانی عمل کو ہرگز دخل نہیں۔

لہٰذا بلا کسی شک و شبہ کے تقدیر پر ایمان ضروری ہے۔ جس طرح غیب کی بے شمار باتوں پر ایمان ہے تقدیر پر اُسی طرح ایمان کا ہونا لازمی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (سورۂ نساء، ۷۸)

آپ فرما دیجیے کہ سب کچھ (بھلائی اور برائی) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے شجرِ ممنوعہ کھا کر ہمیں شرمندہ کیا اور ہمیں جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے جواب دیا: اے موسیٰ علیہ السلام اللہ نے آپ کو اپنی ہم کلامی کے لیے منتخب فرمایا اور ہم کلامی کا شرف بخشا اور اپنے دستِ اقدس سے تورات عطا فرمائی۔ کیا آپ اُس بات پر ملامت کرتے ہیں جو حق تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے تقدیر میں لکھ دی تھی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت میں غالب آ گئے۔ (بخاری و مسلم)

قیامت کے دن پر ایمان

(٦) ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تمام عالم فنا ہو جائے گا۔ صرف اللہ کی پاک ذات باقی رہ جائے گی۔ روزِ جزاء، یوم الحساب، قیامت کے دن پر ایمان علاماتِ ایمان میں سے ایک اہم علامت ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے :

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ۔" (سورۂ توبہ، ۲۹)

قتال کرو ان سے جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے ہوں ان سے بھی قتال کرو، لڑو، کیونکہ 'روزِ جزا' عقائدِ اسلام میں ایک اہم رُکن ہے۔ اسی بنیاد پر انسان دنیا میں درحقیقت اپنے کو سنوارتا ہے کہ جو بھی میں کر رہا ہوں اس کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ 'ایمان بالیوم الآخر' کے معنی یہ ہیں کہ دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ دنیا کے یہ دن ایک دن ختم ہو جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، قیامت ضرور قائم ہوگی۔ حالانکہ دو آدمیوں کے درمیان کپڑا پھیلا ہوا ہوگا (خرید و فروخت کیلئے) اور ابھی خرید و فروخت ہو ہی رہی ہوگی اور بیچنے والا ابھی کپڑا سمیٹا بھی نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور قیامت ضرور قائم ہوگی۔ حال یہ ہے کہ

ایک آدمی اپنے جانور کا دودھ نکال کر جانور کے تھن کے نیچے سے واپس آ رہا ہوگا اور دودھ کا پیالہ اُٹھایا ہی ہوگا منہ تک اور پی بھی نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ (بخاری ومسلم)

بعثت بعد الموت

(۷) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو بعث بعد الموت کہتے ہیں یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ حیاتِ دنیوی میں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد دینا ہے۔ یہ عقیدہ علاماتِ ایمان میں اہم رکن ہے جو بندۂ مومن کو سوچ سمجھ کر عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَ رَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ" (سورۂ التغابن، ۷)

کافر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے، آپ کہہ دیجیے کیوں نہیں، واللہ! ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر تم کو دی جائے گی۔

"قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ"

آپ یوں کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر جب چاہے گا تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن جس کے وقوع میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا۔ (تغابن، ۲۶)

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کو واضح طور پر بیان کیا ہے جس کا انکار ملحدانہ روش اور بے دینی کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت عمر بن خطاب ﷜ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان نام ہے اللہ، فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، موت کے بعد زندہ کیے جانے اور ہر قسم کی تقدیر پر عقیدہ رکھنے کا۔

حشر کا عقیدہ

(۸) حشر کا عقیدہ رکھنا کہ تمام انسان قبروں سے زندہ کیے جانے کے بعد میدانِ حشر میں اکٹھا کیے جائیں گے۔ جہاں ایک ایک ذرّہ کا حساب ہوگا۔ ذرہ برابر بھی اعمال ایسے نہ ہوں گے جن کا حساب نہ لیا جائے گا۔ میدانِ حشر میں جمع کیے جانے کا عقیدہ اجزائے ایمان میں اہم جزو ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ ، لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ، یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (سورۂ مطفّفین ، ٦)

کیا ان لوگوں کو یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

میدانِ حشر میں قبروں سے زندہ کر کے اُٹھایا جانا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس کا انکار کفر کی دلیل ہے۔ قرآن حکیم نے اس عقیدے کو بار بار بیان فرمایا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قبر میں منکر نکیر کے سوالات بھی ایمان کا ایک اہم حصہ ہے۔

۱) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا: تمام انسان اللہ کے سامنے کھڑے کیے جاویں گے یہاں تک کہ ہر آدمی اپنے آدھے کان تک پسینے میں ڈوبا ہوگا۔ (مسلم)

۲) حضرت سلیم بن عامر کی حدیث میں ہے کہ لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہوگا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوگا یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔ (مسلم)

جنت و دوزخ کا عقیدہ و ایمان

(۹) جنت مومنوں کا اور جہنم کافروں کا ابدی ٹھکانہ ہے۔ اس کا عقیدہ رکھنا بھی واجباتِ دینِ اسلام ہے۔ جنت انعامِ خداوندی کی جگہ اور دوزخ غضبِ الٰہی کا مقام ہوگا۔ اللہ کے حکموں پر چلنے میں دشواری اور نفس کے خلاف کرنے میں جو پریشانی ہوتی ہے اس کی جزاء ظاہر ہے جنت ہوگی جو اللہ نے صاحبِ ایمان کے لیے بنائی ہے۔ دوزخ ان نافرمانوں کے لیے ہے جو نفسانی خواہشات میں پڑ کر اپنے خالقِ حقیقی کو بھول گئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحَابُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خَالِدُوۡنَ ☆ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔" (سورۂ بقرہ: ۸۲-۸۱)

کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اس کو اس کی خطا اور قصور اس طرح احاطہ کرلے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہلِ دوزخ ہوتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور جو لوگ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہلِ بہشت ہوتے ہیں اور ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو اس کا ٹھکانہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت، اگر دوزخی ہے تو دوزخ۔ ساتھ ہی اُس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمھارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تم کو زندہ کرنے کے بعد پھر سے دوبارہ قیامت کے دِن اُٹھائے گا۔ (بخاری و مسلم)

محبتِ الٰہی شانِ مومن

(۱۰) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا ایمان کا ایک اہم رکن، فطرتِ انسانی کا حصہ، ضمیرِ انسانی کی آواز اور روحِ انسانی کی غذا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَاداً یُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ وَ لَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعاً وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ۔" (سورۂ بقرہ، ۱۶۵)

اور ایک آدمی وہ بھی ہے جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں، اُن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا) ضروری ہے اور جو مومن ہے اُن کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے۔

اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے نفع و نقصان دونوں میں تعلق ہے۔ آیتِ مذکورہ میں اِسی ربط و تعلق کو محبت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ برخلاف مشرکین و کفاران کا تعلق اپنے معبود سے محض نفع کا ہے، نقصان کا نہیں۔ اگر ان کو یقین ہوجائے ہمارے معبود ہمیں نقصان پہنچائیں گے تو تعلق و محبت توڑ لیں اور مومنین ہر حال میں ربّ العالمین سے اپنا تعلق مضبوط و مستحکم رکھتے ہیں اور حالتِ نقصان میں مستحکم کر لیتے ہیں، بلکہ تنگی کے عالم میں حقِ عبودیت اور رشتۂ ربوبیت کی زیادہ پاسداری کرنے لگتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک ؓ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت (تازگی) اپنے اندر محسوس کرے گا: (۱) اللہ اور رسول کی محبت تمام کائنات سے زیادہ جس کے دل میں ہوگی۔ (۲) دوستی کسی شخص سے کرے تو محض اللہ کے لیے (نہ کہ اپنی کسی حاجت کے لیے)۔ (۳) اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی ناپسند کرتا ہو جیسا کہ اس کے لیے آگ جلا کر اس میں ڈالنا ناپسند ہے۔ (بخاری و مسلم)

خوف و ڈر سرمایۂ مومن

(۱۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کا خوف دل کے نہاں خانوں میں بسانا، صرف اللہ کا خوف رکھنا، غیر اللہ سے نہ ڈرنا بلکہ غیر اللہ سے دِل میں خوف کا وہم بھی نہ آنے دینا کمالِ ایمان ہے۔

حق جل مجدہ کا ارشاد ہے: "فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ آلِ عمران، ۱۷۵) سوتم اُن سے مت ڈرنا مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔

"فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِیْ" (سورۂ مائدہ، ۴۴)

سوتم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

"وَ اِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ" (سورۂ بقرہ، ۴۰) اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

"وَ هُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ" (سورۂ انبیاء، ۲۸)

اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے بہت ڈرتے ہیں۔

ان تمام آیاتِ ربّانی میں واضح طور پر مومنین کی تعریف کے ساتھ ساتھ ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ خوف و ڈر صرف ربّ العالمین کی ذات سے ہونا مناسب ہے، کیونکہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اُس سے ڈرا جائے، اس سے ڈر کر کیا فائدہ جو خود ایک دن ڈرایا جائے گا لہٰذا اس ذات سے ڈرو جس کا ڈر دونوں عالم میں فائدہ مند ہوگا۔ آج اس کا ڈر عبادت کی راہ پر لگا دے گا جبکہ کل روز قیامت ہمیشہ کے نقصان و خسارہ سے بچا لے گا، انشاء اللہ۔

۱) حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا: آگ سے ڈرو (صدقہ دے کر بچو) اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو کہ اللہ کی رحمت بہانا ڈھونڈتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت انس ؓ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگ وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو ہنسو کم اور روؤ زیادہ کہ آخرت کا معاملہ نیز حساب و کتاب بہت سخت ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ)

رجاء و اُمید شانِ مومن

(۱۲) رجاء یعنی اُمید اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ رکھنا جزوِ ایمان ہے۔

خواہ وہ امید اس دنیا کے کسی کام کی ہو یا عالمِ آخرت کی فلاح و بہبود کی، ہمارے تمام کام بنانے والی ذات صرف اور صرف اللہ ربّ العزّت کی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ" (سورۂ اعراف، ۵٦)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

"قُلۡ يٰعِبَادِیَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓی اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعاً اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ" (سورۂ زمر، ۵۳)

آپ کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو۔ بالیقین خدا تعالیٰ تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَ يَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ" (نساء، ۴۸)

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ معاف کریں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ جس کے لیے منظور ہوگا معاف کردیں گے۔

یعنی ایسے گناہ جس سے بندہ توبہ کیے بغیر مر جائے اللہ تعالیٰ کسی کے لیے چاہے گا تو بغیر کسی قسم کی سزا کے معاف فرما دے گا جبکہ بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرما دے گا لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہوگا کیونکہ مشرک پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام فرما دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مومن کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو عذاب اللہ کے پاس ہے تو کوئی بھی جنت کی اُمید نہ رکھے (یعنی محض عذاب سے

نجات کی فکر میں رہا کرے) اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس جس قدر رحمت ہے تو کوئی بھی جنت سے نا اُمید نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ حضرت جابر ﷛ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو تمھاری موت اِس حالت میں آئے کہ یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اچھا گمان ہو۔ (مسلم)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ (معاملہ) کرتا ہوں اور میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے (یعنی جو میرا ذکر کرتا ہے)۔ (بخاری و مسلم)

اللہ پاک پر بھروسہ کمالِ ایمان

(۱۳) حق تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسہ رکھنا جزوِ ایمان ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" (سورۂ آلِ عمران، ۱۲۲)

اور مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

"وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (سورۂ مائدہ: ۲۳)

اور اللہ پر نظر (یعنی بھروسہ) رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

"وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً" (سورۂ طلاق، ۳)

اور جو اللہ سے ڈر کر کام کرے تو اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ نکالے گا۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بخاری و مسلم میں طویل حدیث کے ضمن میں آیا ہے کہ اِس اُمت کے ستّر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، جن کی صفات یہ ہوں گی کہ نہ تو داغ لگواتے ہوں گے نہ تو تعویذ لٹکاتے ہوں گے اور نہ ہی فال کھلواتے ہوں گے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ عکاشہ بن محصن الاسدی ﷛ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں انہی لوگوں میں سے ہوں۔ حضور ا نے فرمایا: تو انہی لوگوں میں سے

ہے۔ پھر دوسرے صاحب نے یہی گفتگو دہرائی تو حضورا نے فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

اس حدیث میں ستّر ہزار جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے ان کی صفتِ خاص یہ بیان ہوئی ہے کہ نہ داغ لگواتے ہیں نہ (مشرکانہ کلمات پر مشتمل) تعویذ لٹکاتے، نہ ہی فال کھلواتے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

۲۔ حضرت مقداد بن معدی کرب ﷛ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کا کھانا سب سے بہتر ہے جو اپنی ہاتھ کی کمائی سے کھائے۔ سیّدنا داؤد ؑ اپنی ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

محبتِ رسول ﷺ کے بعد ہی ایمانِ کامل نصیب ہوگا

(۱۴) رسولِ خدا حضرت محمد ﷺ کی ذات وصفات اور جملہ عادات و اخلاق سے محبت رکھنا جزوِ ایمان ہے۔ حضور ﷺ سے تمام کائناتِ عالم میں سب سے زیادہ محبت کے بعد ہی کمالِ ایمان کی کوئی شعاع روشن ہوسکے گی۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (سورۂ آلِ عمران: ۳۱)

کہہ دو اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بھی معاف کردے گا اور اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی محبتِ رسول ﷺ جو کمالِ ایمان کا ذریعہ اور تکملہ ہے وہ اس وقت صحیح ہوگا جب محبوب کی پسند پر چلا جائے۔ جس طرح جی چاہے ویسا کرنے سے محبت کا دعویٰ غلط ہوگا۔

۱) حضرت انس ﷛ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پسندیدہ نہ بن جاؤں۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے حضورؐ کے پاس آ کر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے معلوم کیا کہ تو نے قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے زیادہ روزہ، صدقہ سے اس کی تیاری نہیں کی البتہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میرے دل میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر تو اسی کے ساتھ (قیامت میں) ہوگا جس سے محبت کرتا ہے، یعنی اپنے محبوب کے ساتھ۔ (بخاری و مسلم)

ایمان کا زرّین باب تعظیم النبی ﷺ

(۱۵) تعظیم النبیؐ کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ جناب سرورِ عالم محمد عربی ﷺ کی تعظیم عقیدۃً واجب اور جزوِ ایمان ہے۔

آپ اچھے اخلاق و اعلیٰ صفات، نمونۂ قرآن، مرکزِ وحیٔ رحمٰن کی زندہ جاوید مثال ہیں۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ" (سورۂ فتح، ۹) اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ" (سورۂ آلِ عمران، ۱۵۷)

سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

عظمتِ رسول ﷺ کا جہاں تک تعلق ہے، مسلمانانِ عالم میں کوئی اختلاف نہیں۔ حدودِ عظمت میں لوگوں نے اپنی تسکینِ خاطر کا سامان پیدا کیا یا تحدید کر کے توحید کی حفاظت کا نام لیا۔ عظمت کا صحیح مفہوم قرآن و حدیث اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے معلوم ہوگا۔ حدودِ عظمت کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعین کردہ خطوط پر پرکھنا ہوگا۔ جو وہاں ملے گی وہ عظمت ہوگی ورنہ خود کی تراشیدہ راہیں اور خرافات و مردود باتیں۔

"لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً" (سورۂ نور، ۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی بلاوا) مت سمجھو جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کہے یا محمد، اے محمد، یا ابو القاسم، اے قاسم کے باپ تو ایسا کہنا بڑی بے ادبی ہے۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" (سورۂ حجرات،۲)

(اے ایمان والو) تم اپنی آواز پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔

الغرض حضور ﷺ کی محبت جس میں عظمت کا پہلو غالب ہو ہر مسلمان پر واجب وضروری ہے۔ نیز اس صفت کے بغیر کوئی مسلمان کامل الایمان نہیں ہوسکتا۔

دینِ اسلام پر اظہارِ مسرت

(۱۶) دینِ اسلام اور دین کی حرص شعائرِ اسلامی پر اظہارِ مسرت، عقیدۃً واجب ہے۔ یعنی اظہارِ اسلام اور دینی شعائر کی ادائیگی میں کوئی شرم وحیا نہ ہو۔ اپنی اسلامی حالت اور دینی وضع قطع پر اپنے آپ کو ہلکا اور گیا گزرا نہ سمجھے اور دینِ اسلام کی عظیم ترین نعمت پر اظہارِ تشکر بلکہ افتخار ہو۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً" (المائدہ:۳)

آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمھارے لیے صرف دینِ اسلام کو منظور فرما کر راضی ہو چکا ہوں۔

آیت بالا پر اہلِ اسلام جتنا فخر کریں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا مبارک دین عطا کیا جس کی عظمت وشان یہ ہے کہ یہ تکمیلِ نعمت ہے، اللہ کا پسندیدہ دین نیز خاتم الادیان ہے۔

۱) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین باتیں جس کے اندر

ہوں وہ ایمان کا ذائقہ محسوس کرے گا۔ اس میں ایک یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا جبکہ اللہ نے اس سے نجات دیا ہے ایسا ہی ناپسندیدہ ہو جیسا کہ آگ میں جلایا جانا۔ (بخاری)

۲) بعض جگہ یوں بھی آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: آگ میں ڈالا جانا زیادہ پسند ہو کفر کی طرف لوٹنے سے جبکہ اللہ نے کفر کی زندگی سے پاک کر دیا۔

۳) مسلم شریف میں آیا ہے: ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں اس کو سب کی سب دے دیں، اس شخص نے اپنی قوم سے جا کر کہا تم لوگ سب کے سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ خدا کی قسم، محمد ﷺ اس قدر مال سائل کو دیتے ہیں کہ فاقہ کا خوف نہیں کرتے۔

اگر کوئی شخص حضور ﷺ کے پاس محض دنیوی غرض سے آتا تو شام بھی نہ ہونے پاتی کہ دینِ اسلام اس کی نگاہ میں دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب و عزیز ہو جاتا۔

اہلِ اسلام مذہبِ اسلام پر جس قدر ناز کریں کم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا محور عالمِ آخرت میں صرف اور صرف اسلام اور صاحبِ اسلام ہوں گے۔ الحمد للہ علی دین الاسلام

طلبِ علم تکمیلِ ایمان کی پہچان

(۱۷) طلبِ علم یعنی دین اسلام کا ضروری علم حاصل کرنا جزوِ ایمان ہے۔

طلبِ علم سے یہاں مراد ربّ العالمین کی معرفت و پہچان اور ہر وہ احکام و اوامر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے ہیں۔ ساتھ ہی علمِ نبوت اور وہ تمام امتیازات جو ذاتِ نبی کو غیر نبی سے ممتاز کرتی ہوں۔ یعنی نبوت کیا ہے؟ نبی اور غیر نبی کا فرق کیا ہے؟ احکام و قضایا کی پہچان حاصل کرنا، احکام کے مصادر و منابع اور ان کے ماخذ تک پہنچنا، کتاب و سنت، قیاس اور شروطِ اجتہاد کی معرفت طلبِ علم میں داخل ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً" (سورۂ نساء، ۱۱۳)

اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" (سورۂ مجادلہ، ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجہ بلند کرے گا۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (سورۂ زمر، ۹)

کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہلِ عقل (سلیم) ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی تکلیف دور فرمائے گا، جو کسی کی تنگی کو آسان کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی کرے گا، جو کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ بندے کی اُس وقت تک مدد کرتا ہے جب تک بندہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جو ایسے راستے پر چلتا ہو کہ جس سے علم کی جستجو آسان ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔ اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھر میں جمع ہوتی ہے اور کتاب اللہ کی تلاوت اور آپس میں مذاکرہ کرتی ہے، تو اس پر سکینۃ نازل ہوتی ہے، فرشتے پَر بچھا دیتے ہیں اور رحمت کے ساتھ ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا اپنے پاس تذکرہ کرتے ہیں اور جو عمل میں سست ہو تو اس کا نسب اس کو فائدہ نہ دے گا۔ (مسلم شریف)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اُٹھائے گا لوگوں کے سینوں سے نکال کر نہیں بلکہ اہلِ علم کو اُٹھائے گا۔ جب عالم ہی نہیں رہیں گے تو لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو بنالیں گے اور انہی سے لوگ مسائل معلوم کریں گے۔ وہ لاعلمی کے باوجود لوگوں کو فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری، مسلم)

آج کل یہ بیماری عام ہوگئی ہے، ایک آدھ کتاب پڑھ لی یا دو چار دس کتابوں کا مطالعہ کرلیا، ادھر ادھر آتے جاتے کچھ سن لیا پھر کیا ہے، وہ بڑے عالم ومفتی بن گئے۔ بعض حضرات مشاہدے میں ایسے بھی آئے جو علماء کی مخالفت کے لیے چند کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور اُن میں سے چند اپنی مرضی کی باتیں منتخب کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور علماء کو اپنی مخالفانہ تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، نیز علمائے حق کی باتوں کو توڑ مروڑ کر کبھی کبھار اس طرح پیش کرتے ہیں جیسا کہ یہ ان کی اپنی فکر کا نتیجہ ہے، علماء اپنی تواضع و انکساری میں ایسے شریر لوگوں سے پہلو تہی مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ فرمانِ باری کے وہ مخاطب ہیں

"وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً" اور جاہل لوگ جب انھیں فضول بحث میں اُلجھانا چاہتے ہیں تو یہ لوگ سلامت رہو کہہ کر وہاں سے چل پڑتے ہیں۔

بعض تو اپنی حماقت سے اجتہاد کرنے لگے ہیں اور کچھ تو اتنا آگے بڑھے کہ حدیث کا فرضی مفہوم متعین کر کے اس کی اشاعت کو اپنا فرض جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُمت کی حفاظت فرمائے اور اس ملحدانہ روش سے دور رکھے۔ آمین

اشاعتِ علم اہلِ اسلام کا نمایاں وصف

(۱۸) اشاعتِ علم سے مراد علومِ الٰہیہ ہے یعنی علومِ قرآن، علومِ حدیث، فقہِ اسلامی، احکام ومسائل اور حلال وحرام۔ ان علوم ومعارف کا حاصل کرنا، لوگوں میں ان کی نشر واشاعت کی فکر، اُن کے لیے راستوں کا ہموار کرنا، لوگوں کو ان کی متوجہ کرنا نیز اس سلسلے کی تمام کوششیں جس سے ان کا حصول آسان اور سہل ہو شعبۂ ایمان میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ" (سورۂ آلِ عمران، ۸۷)

عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔

"وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" (سورۂ توبہ، ۱۲۲) اور تاکہ یہ لوگ اپنی اس قوم کو جبکہ وہ ان لوگوں کے پاس واپس آویں ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

علمِ دین کی نشر و اشاعت ہر مسلم کا دینی فریضہ ہے۔ جس قدر احکام سے واقفیت ہو اس کو دوسروں تک پہنچائے، اس طرح ہر فرد اپنے مقام پر دعوت دینے والا اور جو جانتا ہے اس کا سکھانے والا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے عام حالتوں میں دینی فضا قائم ہوگی۔ نیز اسی طرح اہلِ اسلام کا یہ نمایاں وصف قلیل مدت میں نفعِ کثیر کا ضامن ہو گا۔ (انشاء اللہ)

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: حضور اکرم ﷺ نے منیٰ میں خطبہ دیا۔ ارشاد فرمایا: خبردار! تم میں سے ہر حاضر و غائب کو میرا پیغام جو سنا ہے وہ پہنچا دے، ممکن ہے جس کو پیغام پہنچایا جائے وہ زیادہ اس کی حفاظت و اشاعت کا ذریعہ بن جائے۔ بعض سننے والوں سے (جو موجود ہیں)۔ (بخاری، مسلم)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے کسی علم کے بارے میں کوئی سوال کیا جائے اور وہ اس کو جاننے کے باوجود چھپائے تو قیامت کے دن جہنم کی آگ کی لگام اس کو لگائی جائے گی۔ (ابو داؤد)

(۳) امام بیہقی نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد نقل کیا ہے جو بغیر عمل کیے کلام کرتا ہے اس کی خطائیں زیادہ ہوں گی اور جو عمل بغیر علم کے کرتا ہے اس عمل سے اصلاح کی بجائے فساد زیادہ ہوگا۔

حضرت حارث محاسبیؒ کا قول ہے کہ: علم سے خشیت پیدا ہوتی ہے، زہد سے راحت، معرفت سے اِنابت۔

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جو علمِ روایت پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو درایت کا علم عطا فرمائے گا اور جو علمِ درایت پر عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو رعایا کا علم عطا کرے گا اور جو علمِ رعایا پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سبیلِ حق کی رہنمائی فرمائے گا۔

حضرت مالک بن دینارؒ کا قول ہے: اگر آدمی عمل کے لیے علم سیکھتا ہے تو وہ علم اس میں انکساری و تواضع پیدا کرتا ہے اور علم بغیر نیت عمل حاصل کرنے والے میں تکبر کے بیج بوتا ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو عمل کا دروازہ اُس پر آسان کر دیتا اور جنگ و جدال کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو عمل کا دروازہ بند اور جنگ و جدال کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

عظمتِ قرآن مجید

(۱۹) تعظیمِ قرآن مجید ایمان کا سرچشمۂ شافی ہے۔ تعظیمِ قرآن مجید سے مراد قرآن مجید کا خود سیکھنا، دوسروں کو سکھانا، قرآن مجید کے بیان کردہ حدود و احکام کو یاد رکھنا، حلال وحرام کا علم ہونا، حفاظ و حاملینِ احکامِ قرآنی کا اکرام، قرآنی وعد و وعید کی آیاتِ بینات کو شعوری کیفیت کے ساتھ محفوظ رکھنا، اور اُن وعد و وعید پر گریہ وزاری کرنا ایمانی علامت و پہچان میں داخل ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ"

اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (مخاطب) اُس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ ہم ان مثالوں کو ان لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔ (سورۂ حشر، ۲۱)

"اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ" (سورۂ واقعہ، ۸۰)

(بیشک) یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں درج ہے۔

"لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" الآية (سورۂ واقعہ، ۸۰)

اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔

(۱) حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں افضل یا بھلا وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حسد (رشک) دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دولت سے نوازا، وہ صبح و شام اس کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے، دوسرے وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ رات دن خرچ کرتا رہتا ہے۔ (مسلم)

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کی وجہ سے کتنی قوموں کو بلند کرتا ہے اور کتنے لوگوں کو پست۔ (مسلم)

طہارت و پاکی جزوِ ایمان

(۲۰) طہارت و پاکیزگی اسلام کے اوّلین احکام میں سے ہے۔ اقرأ کے بعد دوسری ہی وحی جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس میں یہ حکم تھا: "وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ" (سورۂ مدثر) اپنے کپڑوں کو پاک رکھ۔ چنانچہ شارع ﷺ نے ضروری قرار دیا کہ انسان کا بدن اس کے کپڑے، اس کے نماز پڑھنے کی جگہ نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک ہوں۔ طہارت و پاکی جزوِ ایمان ہے۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ" (سورۂ مائدہ، ٦)

جب تم نماز کے لیے اُٹھو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت۔

(۱) حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: پاکی ایمان کا جز ہے۔ اور الحمد للہ (کا ثواب) میزان کو بھر دیتا ہے۔ نماز نور ہے، صدقہ و خیرات دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن مجید تمھارے لیے حجت ہے یا تمھارے اوپر حجت ہے، تمام انسان مسافر ہیں۔ اپنی جان قربان کر کے آگ سے آزادی حاصل کرتے ہیں یا ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ (مسلم)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ نماز کو بغیر طہارت قبول نہیں فرماتا، اور صدقہ خیانت کے مال سے قبول نہیں کیا جاتا۔ (مسلم شریف)

حاصل یہ کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر ناپاکی ونجاست سے پاکی کی ترغیب دیتا ہے، خواہ وہ عقیدہ کی نجاست ہو یا اعمال کی ظاہری یا باطنی، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ چنانچہ وہ پاکیٔ فکر ونظر، طہارتِ قلب و بدن کا حکم دیتا ہے اس پاک ذات کی رضاء وخوشنودی ان ہی پاکبازوں کے حصّے میں آتی ہے جو پاکی پسند ہیں۔

نماز ایمان کا سب سے بڑا رکن

(۲۱) نماز پنجگانہ یعنی فجر کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعتیں، عصر کی چار رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار رکعات جماعت کے ساتھ ادا کرنا جزوِ ایمان ہے اور یہ ایمان کی ایسی علامت و پہچان ہے جو توحیدِ ذات کے بعد سب سے اونچی اور بڑی علامت ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً" (سورۂ نساء)

یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

"وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ" (سورۂ بقرہ،۱۴۳)

اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمھارے ایمان (نماز) کو ضائع اور ناقص کردیں۔

"وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ" اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان اور مشرک و کافر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے یعنی مسلمان نماز کی پابندی کرتا ہے اور مشرک اور کافر نماز نہیں ادا کرتے۔ (صحیح مسلم)

۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال کون سے ہیں؟ ارشاد فرمایا: نماز اپنے وقت پر۔ پھر پوچھا اس کے بعد کون سا عمل؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین سے اچھا برتاؤ۔ میں نے پوچھا پھر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد۔ (بخاری ومسلم)

(۳) حضرت عثمان ﷜ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان فرض نماز کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتا ہے، خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے، خشوع وخضوع کے ساتھ رکوع و سجود کی اعلیٰ رعایت کرتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے تو ایسی نماز پہلے کے تمام گناہ (صغیرہ) کا کفارہ بن جاتی ہے جب تک کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے تمام سال تک۔ (بخاری، مسلم)

الغرض نماز پنجگانہ گناہِ صغیرہ کا کفارہ ہوتی ہے، کبیرہ توبہ سے معاف ہوتا ہے، یا صاحبِ حق کے خود معاف کردینے سے، اس طرح مسلمان جو بھی شب و روز میں گناہِ صغیرہ کرتا ہے اللہ کی کریم ذات نمازوں کی برکت سے دھو دیتی ہے۔ تمام سال نہیں تمام زندگی نماز کی پابندی سے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب یوں تو مومن کی شان کے خلاف ہے تاہم اگر ہو جائے تو فوراً رجوع کر لینا چاہیے یعنی توبہ و استغفار کر لینا چاہیے۔

ادائیگیٔ زکوٰۃ علامتِ ایمان

(۲۲) اسلام کی تعلیم میں نماز کے ساتھ ساتھ جو فریضہ سب سے اہم نظر آتا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ ادائیگیٔ زکوٰۃ ایمان کی مہتم بالشان علامات میں سے ایک ہے۔

زکوٰۃ کا حاصل یہ ہے کہ صاحبِ مال اپنے پاک و طیب مال کا ڈھائی فیصد فقراء و مساکین تک سال گزرنے پر پہنچادے، اور اس حکمِ خدا کے ذریعے اپنے مال کو پاک و صاف کرلے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ☆ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ" (سورۂ توبہ، ۳۵)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) سو آپ ان کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اوّل) تپایا جائے گا پھر ان لوگوں کی پیشانیوں کو، کروٹوں کو،

ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اوران سے کہا جائے گا) کہ لو اپنے جمع کیے مال کا مزہ چکھو۔

"وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" (سورۂ آلِ عمران، ۱۸۰)

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لیے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کی بہت ہی بری ہے، وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیے جائیں گے اس کا جس میں انھوں نے بخل کیا تھا۔

۱) حضرت ابو ہریرہ ﷛ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کیا، وہ مال قیامت کے دن دو سینگ والے سانپ کی شکل میں اُس پر مسلط ہو جائے گا، اس کے جبڑے پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں، پھر سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

۲) حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ ﷛ کو یمن کا حاکم مقرر کیا اور انھیں چند ہدایات دیں۔ دیکھو تم اہلِ کتاب کے پاس جا رہے ہو سب سے پہلے ان کو کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دینا، دینِ اسلام کی طرف راغب کرنا، اگر وہ تمھاری دعوت قبول کر لیں تو ان کو تعلیم دینا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، رات اور دن میں جب وہ اس کو قبول کر لیں تو پھر اس بات کی تعلیم دینا کہ اللہ تعالیٰ نے مال میں (فقراء کے لیے) صدقہ متعین کیا ہے، جو صاحبِ مال سے لے کر فقراء و مساکین کو دینا ہے جب وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو دیکھو خبر دار یاد رکھنا ان کا اچھا مال زکوٰۃ میں نہ لینا، کہ اسلام کی نفرت ان کے دل میں پیدا ہو جائے، خبر دار کسی پر ظلم نہ کرنا، کہ مظلوم کی دعا اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، اس لیے مظلوم کی بد دعا سے بچنا۔

(بخاری و مسلم)

روزہ ایک ایمانی شان

(۲۳) رمضان المبارک کا روزہ رکھنا فرائضِ خمسہ سے ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر مسلمان مرد عورت عاقل بالغ پر ضروری اور جزوِ دینِ اسلام ہے۔ ارشاد باری ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (سورۂ بقرہ، ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی اُمتوں پر کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان المبارک کا روزہ رکھنا (۵) قدرت پر حج بیت اللہ کے لیے جانا۔ (بخاری)

۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابنِ آدم کی تمام نیکی کا ثواب ۱۰ سے ۷۰۰ گنا تک بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں روزہ میری ذات کے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں خود ہوں، یا میں ہی دوں گا کہ وہ کھانا و خواہش کو میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔

۲) ایک حدیث میں ہے: روزہ دار کے لیے دو خوشی ہے ایک افطار کی وقت دوسری رب سے ملاقات کے وقت (جب وہ دیدار کی لذت سے فیض یاب ہوگا) اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزہ جہنم سے ڈھال ہے[۱]۔

---

[۱]: تفصیلات کے لیے اس موضوع پر مؤلف کی کتاب 'احکام و مسائل' دیکھنی چاہیے جو اپنے موضوع پر مثالی کتاب ہے۔ اس میں شعبان، رمضان، تراویح، اعتکاف، عید و بقرعید کے موضوع پر تمام ضروری مسائل فقہ و فتویٰ کی اہم کتابوں کی مدد سے یکجا کر دیے گئے اور جس کے کئی ایڈیشن دہلی، دیوبند، ممبئی، پونہ اور فتح پور راجستھان سے چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔ (ر الف ن)

اعتکاف - صفاتِ ایمان کا عکسِ جمیل

(۲۴) رمضان المبارک میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرنا یعنی چند دنوں کے لیے مخلوق سے علیحدگی کر کے خالق کی طرف پوری توجہ کے ساتھ متوجہ ہونا اور یکسوئی کے ساتھ عبادت و طاعت نیز صفاتِ ایمانی پر عملی مشق کا نام اعتکاف ہے جو جزوِ ایمان ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ عَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَ الْعَاكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" (سورۂ بقرہ، ۱۲۵)

اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک و صاف رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع و سجدہ اور اعتکاف کرنے والوں کے واسطے۔

۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس شخص نے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے صرف ایک دن کا اعتکاف کیا تو اللہ تعالیٰ اس معتکف اور دوزخ کے درمیان تین خندقیں حائل کر دیں گے جو خافقین سے زیادہ وسیع ہوں گی۔ (طبرانی)

خافقین سے مراد مشرق و مغرب کی دوری ہے یا آسمان و زمین کی دوری مراد ہے۔ حاصل یہ کہ معتکف اور جہنم میں بہت زیادہ دوری ہوگی۔ جب ایک دن کے اعتکاف کا یہ اجر ہے تو رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف پر کیا کچھ ملتا ہوگا۔

۲) اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ آپؐ اللہ کو پیارے ہوگئے (کبھی ناغہ نہ کیا) حضور ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات بھی عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرتی تھیں۔ (بخاری و مسلم)

عورت کا اعتکاف گھر میں جہاں نمازِ پنجگانہ ادا کرتی ہوں وہیں اعتکاف کی نیت سے ٹھہریں یا مکان کے جس گوشے میں جہاں ملنا جلنا کم ہو، شور ہنگامہ نہ ہو۔ عورتوں کے لیے بقیہ احکام وہی ہیں جو مردوں کے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب 'احکام و مسائل')

ایمان کا اہم رکن حج بیت اللہ

(۲۵) کعبۃ اللہ کا حج ہر اس آدمی پر فرض ہے جس کے پاس اتنا مال ہو کہ بہ سہولت سفرِ حج طے کر سکے۔ کسی قسم کی خود کو یا عیال کو مالی دشواری پیش نہ آئے، اور یہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" (آلِ عمران، ۹۷)

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کے سبیل کی۔

"وَ اَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ" (سورۂ حج، ۲۷)

اور (ابراہیم سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو لوگ تمھارے پاس (حج کو) چلے آویں گے پیادہ بھی، دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز رستوں سے پہنچی ہوں گی۔

حضرت ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو حج سے بیماری یا واضح ضرورت یا ظالم بادشاہ نہ روکے اور پھر بھی وہ حج نہ کرے تو وہ چاہے تو یہودی مرے یا چاہے تو نصرانی مرے۔ (بیہقی)

اس حدیث میں شدید وعید آئی ہے ان لوگوں کے لیے جو خواہ مخواہ سستی و کاہلی کی بنا پر حج فرض کو ٹالتے ہیں۔ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ ابھی مزہ لینے کا وقت ہے، جب عمرِ عزیز ختم ہونے لگے گی یعنی جوانی سے بڑھاپا شروع ہوگا تب حج کر لیں گے۔ یہ محض نادانی ہے، اگر موت آ گئی تو؟ حدیث کی رو سے سخت نقصان و خسران کا سامنا ہوگا۔

ایمان کا روشن باب - جہاد

(۲۶) دینِ حق کے غلبے کے لیے سعی وکوشش خواہ وہ جانی ہو یا مالی، فکری ہو یا انقلابی، علمی ہو یا دعوتی، افرادی ہو یا جماعتی - الغرض اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اللہ کے دین کو غالب کر دینے کا نام جہاد ہے۔ یہ ایمان کی عظیم صفت ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"وَ جَاهِدُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" (سورۂ مائدہ، ۵۴)

(اللہ تعالیٰ ان مومنین کی صفات بیان کرتے ہیں جو) جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً"

کفار سے لڑو جو تمھارے آس پاس (رہتے ہیں) اور ان کو تمھارے اندر سختی پانا چاہیے۔

وقتِ جہاد تو سختی ظاہر ہے، غیر زمانۂ جہاد میں بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ اپنے اندر ڈھیلاپن نہ آنے دیں کہ کفار کو مسلمانوں پر لالچ آنے لگے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو آسان لقمہ سمجھ کر جب چاہیں جیسے چاہیں چٹ کر جائیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ایمانی شان اور جہادی نظام کے ذریعے کفار کے لیے ہمیشہ باعثِ رعب و دبدبہ بنے رہیں۔ کفار اُنھیں ناقابلِ تسخیر سمجھیں، اُن کے سامنے آنے اور مقابلہ کرنے سے ڈریں کہ وہی اللہ پاک کے اس حکمِ لازوال کے مامور و مکلّف ہیں۔

"وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّا للّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ" (سورۂ انفال، ۶۰)

تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرلو اور گھوڑے کے تیار رہنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو گے۔

۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان باللہ و رسولہ۔ اللہ اور رسول پر ایمان لانا۔

پھر معلوم کیا گیا، اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر معلوم کیا گیا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حج مبرور۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو۔ اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔ اگر بادلِ نخواستہ دشمن سے جنگ کرنی ہی پڑے تو صبر و استقامت کے ساتھ لڑو۔ یاد رکھو جنت تلوار کے سائے میں ہے۔ (بخاری)

اسلام سلامتی کا مذہب ہے اس لیے جنگ و جدال کی تمنّا بھی نہ کرو۔ اپنے لیے اور غیروں کے لیے عافیت کا اللہ سے سوال کرتے رہو۔ اسی میں امن و سلامتی ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اگر نہ چاہتے ہوئے بھی جنگ تھوپی جائے تو ثابت قدمی کے ساتھ جان دے دی جائے نیز میدانِ جہاد میں پہنچنے والی تکان پر صبر ہو اور یقین ہو کہ جنت تلوار کے سائے میں ہے۔

جہاد ایک اہم فریضۂ دینی ہے جس کے ذریعے دینِ اسلام کی آبیاری ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن پر اللہ کی زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ کر دی جائے، اللہ کے پسندیدہ دین دینِ اسلام میں ہر جگہ سے رخنہ اندازی ہو رہی ہو، اللہ کا نام لینا، حکم پورا کرنا اللہ کی زمین پر ناممکن ہو جائے، فتنہ و فساد کا دَور دَورہ ہو، شر و برائی حق و صداقت پر غالب آ جائے، اس وقت اللہ کے پاک و سعید بندے سرفروشانِ اسلام پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی اس زمین کو فتنے سے پاک کریں۔ اور اس راستے میں ہر طرح کی قربانی پیش کریں۔

جہادِ اسلامی کوئی دہشت گردانہ کارروائی کا نام نہیں بلکہ یہ خالقِ کائنات کا وہ حکم ہے جس میں صورتِ حال کے تمام پہلوؤں پر آسمانی ہدایات موجود ہیں۔ مغرب یعنی یورپ نے جہادِ اسلامی کی جو شکل بگاڑی ہے وہ بڑی بدنیتی اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ ورنہ جہاد شروع کرنے سے پہلے سینکڑوں مسائل ہیں اور جہاد شروع ہونے کے بعد ہزاروں نزاکتیں ہیں۔ اور ان سب کا لحاظ اسلامی جہاد کی شان ہے۔ یہ کوئی کھیل تماشہ اور اس طرح کا اسٹیج ڈراما نہیں جس طرح مغرب توڑ مروڑ کر پیش کر رہا ہے اور اپنی اس مذموم حرکت پر خطیر رقمیں خرچ کر کے اس مقدس

نام کو بدنام کررہا ہے۔ افسوس کہ کچھ بھولے بھالے، ہمارے مسلمان بھائی اور بعض تنگ نظر دیندار مسلمان بھی یورپ کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر اس مقدس فریضہ کے تقریباً منکر ہیں۔ اور اس طرح کی کارروائی کو دہشت گردانہ کارروائی باور کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث جہادِ اسلامی کی فضیلت و اہمیت، ضرورت و مقاصد سے بھرے پڑے ہیں۔ آج ضرورت ہے خطباء، علمائے اسلام کے اس اہم شعبے کو پہلے خود سمجھیں اور پھر دوسروں کو سمجھائیں۔ پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہوں۔

مسلمانوں کی حفاظت میں مستعد رہنا شانِ ایمان

(۲۷) مرابط فی سبیل اللہ: یہ اس دستے کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی عزّت و آبرو، جان و مال کی حفاظت میں سرحد پر مستعد و چوکنا رہتا ہے تاکہ کفار مسلمانوں کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاسکیں۔ نیز اگر کفار دست درازی پر اُتر آئیں تو یہ اسلام کے جیالے انھیں دست درازی سے باز رکھیں۔ ہاں خود پیش قدمی نہ کریں، مقابلہ ٹالنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی فتنہ و فساد اور پیش قدمی کی غلطی کرتا ہے تو اس سے جم کر مقابلہ کریں اور یقین رکھیں کہ دفاعی مقابلہ رکھنے والوں کے لیے فتح لازمی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (سورۂ آلِ عمران، ۲۰۰)

اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو، مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔

حضرت سہل بن الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دن اللہ کے راستے میں قیام کرنا، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ (بخاری)

جہاد و قتال کے مقابلے میں مرابط فی سبیل اللہ کا رتبہ بلند ہے۔ جس طرح معتکف ہمہ تن مسجد میں محوِ عبادت ہوتا ہے، جب نماز کا وقت آیا نماز پڑھی، یہی مقام مرابط فی سبیل اللہ کا ہے کہ وہ ہمہ تن مستعدِ جہاد ہے۔

ہمارے اس زمانے میں فسادات عام بات ہے۔ مسلمانوں کے محلوں اور آبادیوں پر منظّم حملے کیے جارہے ہیں۔ ایسے حالات میں باشعور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک ایسا دستہ اپنے اپنے محلوں میں تشکیل دیں جو اس برے وقت میں مرابط فی سبیل اللہ کا کام سرانجام دیں۔

مقابلہ میں ثابت قدم رکھنا

(۲۸) دشمنوں کے بیچ ہر صورت میں ثابت قدم رہنا اور وہاں کی ہر تکلیف کو برداشت کرلینا نیز کسی صورت میں میدانِ جہاد سے فرار اختیار نہ کرنا بلکہ اس نازک وقت میں جمے رہنا جزوِ ایمان ہے۔

میدانِ جہاد سے فرار (منہ موڑ کر بھاگنے) کو حدیث میں گناہِ کبیرہ میں شمار فرمایا گیا ہے اور ایسے شخص کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ وَ مَنۡ یُّوَلِّهِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاۡوٰىهُ جَهَنَّمُ ، وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ" (سورۂ انفال، ۱۰/۱۶)

تم کو کسی جماعت سے (جہاد) میں مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اے ایمان والو! جب تم کافروں سے جہاد میں روبرو مقابل ہوجاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ ، اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَةٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ اَلۡئٰنَ" الخ (سورۂ انفال، ۶۰-۶۶)

اے پیغمبر! آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے، اگر تم میں سے بیں آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آجائیں گے، اور اسی طرح اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاؤ گے، اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو ۲۰۰ پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دشمن سے دو بدو مقابلہ و جہاد کی تمنا نہ کرو، اللہ سے عافیت کا سوال کرو، مگر جب دشمن سے مقابلہ ہوجائے تو ثابت قدمی سے لڑو، جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (بخاری)

بڑے افسوس کی بات ہے، موجودہ وقت میں قوتِ اسلام کا مدار، اربابِ اقتدار نے مجلسِ مشاورت، مجلسِ تعاون کی میزوں تک محدود کردیا ہے، بدر و احد، حنین و احزاب، تحفّظِ اسلام کے لیے لڑی گئیں، ظلم وتعدی اور دست درازیوں کے ناپاک منصوبوں کو آہنی دیواروں میں ابدی طور پر محبوس کرنے کے لیے کیا ہم اس سنت کا سہارا لیے بغیر فتحِ اسلام چاہتے ہیں۔ ہمیں منظّم ہونا پڑے گا، ہمیں منصوبہ بندی کرنی ہوگی، کتاب وسنت کو اپنا لائحۂ عمل بنانا پڑے گا، دین کی دعوت پوری معرفت کے ساتھ دنیا میں بسنے والے انسانوں تک پہنچانا ہوگا اور اس راستے کی تمام پریشانیوں کو پورے حوصلے سے برداشت کرنا ہوگا، اور سب سے بڑھ کر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو بلکہ فکر ونظر کو سنتِ رسول ﷺ کے تابع کرنا ہوگا، تب دیکھیں کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

مالِ غنیمت کی صحیح تقسیم

(۲۹) جہادِ اسلامی میں فتح و کامیابی کے بعد جو چیزیں کفار سے حاصل ہوں ان کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔ جس کا حکم یہ ہے کہ حاصل شدہ مال کا پانچواں حصّہ امامِ وقت یا اس کے عامل کے حوالے کردیا جائے۔ یہ شعبۂ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ اعۡلَمُوۡا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ" (سورۂ انفال، ۴۱)

اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار) سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کل کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے، اور (ایک) حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے۔ (ایک) حصہ یتیموں کا اور (ایک) غریبوں کا اور (ایک) مسافروں کا اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو تو، اور اس چیز پر جس کو ہم نے نازل فرمایا تھا۔ (اپنے بندے محمد ﷺ پر)

"وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ، وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ"۔ عمران، ۱۶۱

اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: وفد عبد القیس کو آنحضرت ﷺ نے تعلیم دی کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار ہی باتوں سے روکتا ہو (۱) صرف ایک اللہ کا عقیدہ رکھو۔ جانتے ہو صرف ایک اللہ کا عقیدہ و ایمان کیا ہے؟ وفد نے جواب دیا: رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ امام یا اس کے نائب کو دینا، اور چار باتوں سے روکتا ہوں: (۱) حنتم (سبز گھڑے) (۲) دبا (کدو کے خول) (۳) مزفت (چوبیں برتن) (۴) نقیر (تارکول لگے ہوئے برتن)۔ یہ مختلف برتنوں میں بنے ہوئے شراب کے نام ہیں۔ شراب خواہ کسی برتن کے بنے ہوں، حرام ہے، مقصد یہ ہے کہ شراب ہر قسم کی ممنوع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو یاد کرلو اور اپنی قوم کو آگاہ کر دینا۔ (بخاری)

غلاموں کی رہائی و آزادی رضائے الٰہی کا عظیم راستہ

(۳۰) اللہ کے بندوں کی آزادی اس کا پیدائشی حق ہے۔ چنانچہ بندگانِ خدا کی رہائی و آزادی میں، محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کوشش کرنا اور اپنا جان و مال اس کوشش میں صرف کرنا جزوِ ایمان ہے۔

اسلام درحقیقت تمام بنی نوع انسان کو فطرت میں دی ہوئی آزادی سے آزادانہ طور پر سانس لینے کا حق دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طوقِ غلامی اور ذلت کے اس پھندے سے آزاد کرنے والوں کو کمالِ ایمان کا تمغہ عطا کرتا ہے، اور ترغیب کے اس بیان پر بس نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کو اس کارِ خیر پر اُبھارتا ہے کہ دیکھو اگر تم کسی کی آزادی کی خاطر اپنی حکمرانی یا غیروں کی حکمرانی کا بوجھ کسی شخص سے ختم کراتے ہو تو اللہ نارِ جہنم سے تم کو آزاد کردے گا۔ ارشادِ حق ہے:

"وَ مَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ" (سورۂ بلد، ۱۲-۱۳) سو وہ شخص دین کی گھاٹی سے ہو کر نکلا ہو اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی سے کیا مراد ہے وہ کسی کی گردن کو غلامی سے چھڑانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی کی گردن غلامی سے آزاد کراتا ہے حق تعالیٰ اس کے جسم کے ہر عضو کو اس کے ہر عضو کے بدلے نارِ جہنم سے آزاد کردے گا یہاں تک کہ شرمگاہ کو شرمگاہ کے بدلے۔ (بخاری و مسلم)

دوستو! یہ ہے اسلامی مزاج کا درجہ حرارت و برودت۔ مسلمانوں نے اسلام اقوامِ عالم کے سامنے جب پیش کیا، تو تمام عالم کا نظام اسلامی نظام کا غلام ہوگیا۔ بلکتی سسکتی دنیا کے درد کا درماں تعلیماتِ اسلامی میں مل گیا۔ کاش مسلم قوم کل کی طرح آج بھی اسلام کو اپنے قول و فعل اور عمل کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کرتی، ہماری کوتاہی کا یہ بین ثبوت ہے کہ آج دنیا میں ایک گز زمین بھی ایسی نہیں ملے گی جہاں مکمل اسلامی نظامِ مساوات ہو پھر کیوں نہ اجنبیت ہو۔ آج دنیا کی قومیں جو مسلمانوں کے ساتھ سلوک کر رہی ہیں، اس میں کوتاہی کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ خدا ہمارے قصور کو معاف کرے۔

کفاراتِ واجبہ کی ادائیگی ایمان کا اہم جزو

(۳۱) کفاراتِ واجبہ جو جنایات کے بعد دی جاتی ہے، حکمِ شریعت کے مطابق ان کی ادائیگی کمالِ ایمان کا حصہ ہے۔ ایسے کفارات کی چار قسمیں ہیں: (۱) کفارۂ قتل (۲) کفارۂ ظہار (۳) کفارۂ یمین (۴) کفارۂ جماع صومِ رمضان۔

۱) قتلِ عمد جو قصد و ارادہ سے کسی دھار دار آلہ سے واقع ہوا ہو اس میں قصاص ہے، کفارہ نہیں۔

۲) قتلِ شبہِ عمد جو قصداً تو ہو مگر کسی ایسے آلے سے نہ ہو جس سے اجزا میں تفریق ہوسکتی ہو۔ اگر مقتول مرد ہے تو اس کی دیت سو اونٹ چار قسم کے ہیں، یعنی ایک ایک قسم کے ۲۵-۲۵ اونٹ بوجہ قصداً ہونے کے گناہ بھی ہوگا۔ اگر مقتول عورت ہے تو مرد کے مقابلہ اس کی دیت نصف ہے نیز قاتل پر کفارہ بھی ہے۔

۳) قتلِ خطا: مثلاً دور سے شکار سمجھ کر گولی چلا دی مگر وہ انسان نکلا یا شکار ہی کا ارادہ تھا مگر گولی اس کو لگ گئی تو دیت سو (۱۰۰) اونٹ پانچ قسم کے ہیں۔ ایک ایک قسم کے بیس بیس نیز قاتل پر کفارہ بھی ہے اور گناہ بھی ہوگا۔ مگر قتلِ شبہِ عمد میں گناہ زیادہ ہے اور قتلِ خطا میں کم۔

۱) کفارۂ قتل: غلطی اور انجانے میں کسی مسلمان نے کسی مسلمان کا قتل کردیا تو قاتل کے ذمہ مقتول کے وارثوں کو ہرجانے کی رقم دینی ہوگی۔ حدیث شریف کے مطابق یہ رقم سو اونٹ یا دوسو گائے یا دو ہزار بکریاں ہونی چاہیے۔ خون بہا کی اس رقم کے ساتھ قاتل پر لازم ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کردے یا ساٹھ روزے مسلسل بلا ناغہ رکھے۔

۲) کفارۂ ظہار: ظہار کے معنی ہیں اپنی بیوی کو ایسی عورت سے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے ماں، بہن، بیٹی کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف بلا ضرورت نظر کرنا حرام ہے مثلاً پیٹھ، پیٹ، ران وغیرہ۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تیرا پیٹ میرے بہن کے پیٹ جیسا ہے۔ اب اس پر اس کی بیوی حرام ہوجائے گی جب تک کہ کفارہ نہ ادا کردے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ بغیر کفارۂ ظہار کے بیوی سے صحبت اور چمٹنا بھی حرام ہے۔ کفارہ یہ ہے :

الف) آپس میں اختلاط و ملنے سے پہلے ایک غلام یا باندی آزاد کرنا۔

ب) یا آپس میں اختلاط سے پہلے مسلسل قمری حساب سے دو ماہ کے روزے رکھنا۔

ج) یا اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

۳۔ کفارۂ یمین اور اس کی قسمیں :

۱) یمینِ غموس : کسی گزشتہ واقعہ یا بیان پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا یمینِ غموس کہلاتا ہے اور ایسی قسم سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ اگرچہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے۔

۲) یمینِ لغو : کسی گزشتہ واقعہ کو سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقعہ میں وہ غلط ہو یا بلاقصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو یمینِ لغو کہتے ہیں۔ اس پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ۔

۳) یمینِ منعقدہ : آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں گناہ بھی ہو جاتا ہے اور بعض میں نہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ : دس محتاجوں کو اوسط درجے کھانا کھلائے یا دس محتاجوں کو اوسط درجے کا لباس دے یا ایک غلام یا باندی آزادی کرے۔ ان تینوں میں اختیار ہے جو چاہے ادا کرے۔ اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کی قدرت نہ ہو تو تین روزے متواتر رکھے۔

۴) کفارۂ صوم : رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر بلا عذر روزہ توڑ دینے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

کفارہ : دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، اس طرح کہ ان روزوں کے بیچ کوئی وقفہ (یعنی رمضان المبارک کا مہینہ یا عید الاضحیٰ وغیرہ) نہ ہو، وقفہ کی صورت میں از سرِ نو روزہ رکھنا

ہوگا یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے صبح و شام۔ اس کا کفارہ ادا ہوجائے گا۔ لیکن اس کو رمضان المبارک کے روزے کی برکت جو عند اللہ ہے وہ پھر بھی حاصل نہ ہوگی۔ کفارہ کے ذریعے ذمہ سے گناہ ساقط ہوجائے گا۔ کفارہ کی شکل میں استغفار کی کثرت شاید اس خلاء کو پُر کردے۔

وعدہ پورا کرنا جزوِ ایمان ہے

(۳۲) عہد و وعدہ کا پورا کرنا ایمان کا لازمی حصہ اور جزوِ ایمان ہے۔ نیز یہ وہ صفت ہے جس سے تکمیلِ ایمان، تکمیل انسانیت و شرافت کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام میں ایفائے عہد کا مقام بہت بلند ہے اور ہر صاحبِ ایمان بقدر ایمان ایفائے عہد کرتا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" (سورۂ مائدہ) اے ایمان والو! عہد پورا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں ایفائے عہد تمام حلال وحرام، فرائض و واجبات اور حدود و شریعت کے تمام حکموں پر شامل و حاوی ہے۔

"یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ" (سورۂ دہر، ۷) واجبات کو پورا کرتے ہیں۔

"وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ" (سورۂ حج، ۲۹) اور اپنے واجبات کو پورا کریں۔

۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر عہد شکن وعدہ خلاف کے لیے قیامت کے دن ایک علامتی جھنڈا ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ فلاں بدعہدی کی علامت ہے۔

۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار خصلتیں جس میں ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو ایک صفتِ نفاق ہوگئی یہاں تک کہ اس کو بھی چھوڑ دے، (اور وہ علامتیں یہ ہیں): (۱) جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب عہد کرے تو پورا نہ کرے۔ (۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ (۴) جب لڑائی کرے تو گالی دے۔ (بخاری و مسلم)

۳) حضرت عبداللہ بن عامر جہنیؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک وہ تمام شرطیں جس کا پورا کرنا ضروری ہے ان میں ایک یہ ہے کہ جس کے ذریعے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔ یعنی نکاح کی وہ شرطیں جو وقت ایجاب وقبول ہو (مرد وعورت ایک دوسرے سے کرتے ہیں) پورا کرنا تمام شرائط میں سب سے زیادہ ایفاء عہد کا حق رکھتی ہیں۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنا

(۳۳) حق تعالیٰ کی مختلف انواع واقسام کی نعمتیں تمام انسانوں کے ساتھ ہر وقت اور ہر لمحہ رہتی ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب وضروری ہے، ہوا جو ہر سانس کے ساتھ ہے چھین لی جائے تو دم گھٹ کر رہ جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی دیکھیے، جو نعمت جتنی زیادہ ضروری اور اہمیت کی متحمل تھی اس کو اسی قدر عام رکھا اور خاص دستِ قدرت کے تابع کیا، کہ دنیا کے ظالم و جابر اس کا بھی ٹیکس نہ وصولیں، اور تقسیم غلہ کی طرح ہر ماہ بلیک مارکیٹنگ نہ کریں، دیکھیے! ہوا، سورج کی شعاعیں، چاند کی فرحتیں، ستاروں کی جگمگاہٹیں، ہر فرد وبشر اپنی کھلی ہوئی چھت کے نیچے دیکھ سکتا ہے۔ اور خدائی نعمت سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"وَ اِن تعدوا نعمت الله لا تحصوها"۔ (سورۂ ابراہیم: ۳۴)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں (لاتعداد ہیں) اگر ان کو شمار کرنے لگو گے تو شمار میں نہیں لاسکتے۔

"قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ لِیَبۡلُوَنِیۡ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ وَ مَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِهٖ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ" (سورۂ نمل، ۴۰)

تو فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور غنی وکریم ہے۔

۱) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات میں بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے: تیرے ہی نام کے ساتھ سوتا ہوں اور بیدار ہوتا ہوں۔ اور جب نیند سے

بیدار ہوتے تو فرماتے : تمام تعریف ہے اس اللہ کی جس نے مرنے (سونے) کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اُٹھنا ہے۔

۲) حضرت صہیب ؓ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی ہر شان قابلِ تعجب ہر صفت نیکی و بھلائی ہے۔ جو مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، اگر خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے تو شکر بجا لاتا ہے جو نیکی ہے اور تکلیف و اذیت پہنچ جائے تو صبر کا دامن تھامتا ہے۔ یہ بھی نیکی ہی ہے۔ (مسلم)

مشہور صوفی و زاہد سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: شکر بڑی نعمت ہے اور نعمت پر شکر اس سے بھی عظیم ہے، کہ شکر پہ شکر کرتا چلا جائے اس کی کوئی انتہا نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی کی ذات کی تعریف کرو جس کا نام اللہ ہے کہ نعمت پر شکر کی توفیق بھی شکر کا تقاضہ کرتی ہے۔

حفظ اللسان یعنی زبان کی حفاظت

(۳۴) غیر ضروری باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنا اور ضروری باتیں بھی بس بقدر ضرورت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ اس میں عافیت اور بے شمار منافعِ دینی و دنیوی پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ قرآن و حدیث میں زبان کی حفاظت کی اہمیت پر خاص زور دیا گیا ہے۔ حفظ اللسان عام ہے جس میں جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، غیر ضروری گفتگو، چغل خوری، بدکلامی، فحش کلامی سبھی داخل ہیں۔ الغرض ضروری باتیں بھی بقدر ضرورت اور سچی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ" (سورۂ توبہ، ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

"وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ" (سورۂ بنی اسرائیل، ۳۶)

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل در آمد مت کیا کرو۔

"فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَ هٗ، اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوىً لِّلْكَافِرِيْنَ ☆ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" زمر۳۲،۳۳

سو اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچی بات کو (یعنی قرآن) کو جب اس کے پاس (رسول) کے ذریعے پہنچی جھٹلا دے، کیا جہنم میں ایسے کافروں کوٹھکانا نہ ہوگا، اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے (خود بھی) اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں۔

۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً سچائی نیکی کی طرف لاتی ہے، اور نیکی جنت میں داخل کرتی ہے۔ آدمی جب ہمیشہ سچ بولتا ہے، تو اللہ کے نزدیک صدیق، راست باز لکھایا جاتا ہے، جھوٹ یقیناً برائی کی راہ لگاتا ہے جبکہ بدی کی راہ جہنم ہے۔ آدمی جب جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت سہل بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص داڑھ کے درمیان (زبان) کی، اور دونوں رانوں کے درمیان (شرمگاہ) کی مجھ کو ضمانت دے دے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔ (بخاری)

۳) ایک حدیث میں آیا ہے کہ اکثر لوگ منہ کے بل جہنم میں محض اپنی بدزبانی و بدکلامی کی بنا پر ڈالے جائیں گے۔

۴) ایک حدیث میں ہے: جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے، مگر لغو و بیہودہ باتیں نہ کرے کہ اس سے خود کی تباہی اور معاشرہ کا بگاڑ ہے۔

۵) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی گلوچ دینا فسق اور قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری)

حرام کو حرام جاننا جزوِ ایمان ہے

(۳۵) محرماتِ ابدیہ (جو ہمیشہ کے لیے حرام ہے) کا کیا پوچھنا وہ تو ہیں ہی حرام و ناجائز۔ حرام فعل کرنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نافرمانی ہے۔ اس سے پوری طرح نفرت ہوتی کہ جو وقتی طور پر حرام ہے اسے بھی ترک کرنا چاہیے مثلاً اپنی بیویوں کی شرمگاہوں کا حیض و نفاس میں استعمال بھی حرام جانے اور اپنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرے۔ یہ دونوں ہی جزوِ ایمان ہے۔

یعنی اپنی بیویوں سے بھی اپنی شہوت اس وقت تک پوری نہ کرنا جب تک شریعت کے بتلائے طریقے سے حلال نہ ہوجائے۔

اپنی شرمگاہ کی بھی حفاظت کرے کہ اجنبی دعوتِ گناہ دے تو اس کو حرام جان کر رد کردے اور اگر خود کی طرف سے داعیہ پیدا ہو تو عفت و حفاظت کے مظاہرے میں مبالغہ سے کام لے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ يَحْفَظُوْنَ فُرُوْجَهُمْ" (النور، ۳۰) اور وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

"وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ" (سورۂ مومنون، ۵)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں۔

"وَ لَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ، وَّ سَآءَ سَبِيْلًا" (سورۂ بنی اسرائیل، ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو بلاشبہ یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چور چوری کے وقت، زانی زنا کے وقت، شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔ کوئی شخص بیش قیمتی مال لوٹے کہ لوگ نگاہ اُٹھا کر دیکھیں (گو وہ عاجز ہو کہ روک نہیں سکتے) ایسا لٹیرا مومن نہیں ہوسکتا۔ (بخاری)

حدیث میں زنا کے وقت حالتِ ایمان سے نکلنے کی خبر دی گئی ہے۔ بعد از زنا ایمان لوٹ آتا ہے۔ مگر اس حالت میں کسی کو پاکر کافر نہیں کہہ سکتے۔ اگر زنا کو حلال جانے تو اس صورت میں کفر لازم آئے گا ورنہ نہیں۔

ناجائز کمائی سے بچنا ایمان کی اہم علامت

(۳۶) ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنا یعنی دوسروں کے مال پر غیر شرعی طریقے سے قبضہ کرنا جس میں چوری، ڈاکہ، رشوت اور ہر وہ مال جو باطل اور ناجائز طریقوں سے حاصل کیا جائے یا ناجائز طریقہ سے مل جائے جیسے بے مانگے رشوت مل جائے یا اپنی ذمہ داری ادا کر کے لوگوں سے داد و دہش کا اُمیدوار ہو، ان سے بچنا ایمان کا شعبہ ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"وَ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (سورۂ بقرہ، ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو (ناجائز) طور پر مت کھاؤ۔

"فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْراً، وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" (سورۂ نساء، ۱۶۱-۱۶۰)

سو یہود کی ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں، ان پر حرام کردیں، اور بہ سبب اس کے کہ وہ بہت سے آدمیوں کو اس کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بہ سبب اس کے وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بہ سبب اس کے وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے۔

"وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ" (بنی اسرائیل، ۳۵)

اور جب ناپ تول کرو تو پورا کرو اور صحیح ترازو سے تول کر دو۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ کے خطبے میں ارشاد فرمایا: تمھارا آپس میں خون اور مال اور عزّتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ کلمہ گو کی جان و مال، عزّت کی حفاظت ہر کلمہ گو پر فرض ہے اور آپس میں خون بہانا، مال حرام طریقے سے لینا اور عزّت پر حملہ کرنا حرام ہے۔

ناجائز ذرائع آمدنی میں وہ مال بھی شامل ہے جو ان رقموں پر ملتی ہیں جو بینکوں میں رکھی جاتی ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے مسلمانوں میں یہ احتیاط بہت کم ہوتی جارہی ہے۔ وہ ان سودی رقموں کو تقریباً حلال سمجھتے ہیں یا کم از کم اس سے بچنے کی بہت کم تدابیر کرتے ہیں۔ شریعت کی روشنی میں ہر طرح کی سودی رقم حرام ہے۔ فقہاء اس طرح کی رقموں کو بغیر نیتِ ثواب سماجی و فلاحی کاموں پر صرف کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مسلمان اس طرح کی رقموں کے ذریعے ناخواندگی کے مسئلے کو اور بیواؤں کی ضرورتوں کو حل کرنے میں استعمال کرسکتے ہیں۔ نیز رشتہ داروں، پاس پڑوس کے لوگوں میں جو مقروض ہوتے ہیں ان کی گردن بھی چھڑائی جاسکتی ہے۔

کھانے پینے میں احتیاط ایمانی شان

(۳۷) کھانے پینے میں احتیاط، حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز رکھنا واجب اور ضروری اور ذریعہ کمالِ ایمانی ہے۔

کھانے پینے میں احتیاط سے مراد یہ ہے کہ ہر حلال چیز حلال نہیں بلکہ ذریعۂ حصول سے مباح حلال ہوتی ہے۔ اگر ذرائع درست نہ ہوں تو حلال بھی حرام ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ جیسے بکرا حلال اس صورت میں ہے جس میں اس کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو اگر اسے حکم شرعی سے ہٹ کر (جھٹکا وغیرہ سے ذبح کیا گیا ہو) تو وہ حرام ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَا اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ، ذٰلِکُمْ فِسْقٌ" (سورۂ مائدہ،۳)

تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو مر جائے، جو کسی ضرب سے مر جائے، اور جو اونچے سے گر کر مر جائے، اور جو کسی ٹکّر سے مر جائے اور جس کو درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور کسی پرستش گاہ پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

"یٰـاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحاً ، اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ"

(سورۂ مومنون، ۵۱) اے پیغمبرو! تم (اور تمھاری اُمتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام (یعنی عبادت) کرو (اور) میں تم سب کے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔

"یَاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّباً" (سورۂ بقرہ، ۱۶۸)

لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ۔

۱) رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا: ہر نشہ آور شراب ہے اور ہر مسلم پر شراب حرام ہے۔ (مسلم)

۲) حضرت ابن عمرؓ کی ایک حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیاوی شراب پی اور توبہ نہ کی وہ آخرت میں شراب (طہور) سے محروم کردیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ شبِ معراج میں محمد ﷺ کے سامنے شراب اور دودھ کے پیالے پیش کیے گئے، سیّد الاولین و الآخرین نے دونوں کو بنظرِ غائر دیکھا اور فطرتِ نبوت نے دودھ کے پیالے کا انتخاب کیا تو جبرائیل امین علیہ السلام نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَاکَ لِلْفِطْرَۃِ۔ حمد اس خدا کی جس نے آپ کو فطرت کی رہنمائی فرمائی۔ اگر آپ شراب لیتے تو آپ کی اُمت بگڑ جاتی۔

قرآن و حدیث کے مجموعے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رزق حلال وطیب کا ایمانی زندگی پر بے حد اثر پڑتا ہے۔ وساوس و اوہام، قلبی انتشار، عبادت سے اُچاٹ ہونا، دعا کا قبول نہ ہونا، بلاؤں کا سیلاب اُمنڈنا، الغرض بے شمار مفاسد ہیں جو فسادِ رزق سے پیدا ہوتی ہیں۔ حلال وطیب رزق اعمالِ صالحہ کا داعیہ پیدا کرتی ہیں۔ انابت الی اللہ اور فکرِ آخرت کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اللہ تمام اُمت کو مشکوک غذا سے بچائے۔ آمین

مشہور بزرگ یوسف بن اسباطؒ فرماتے ہیں: ابلیس لعین (اعاذنا اللہ منا جمیعاً) جب کسی نوجوان کو مشغولِ عبادت دیکھتا ہے تو اپنے کارندوں سے کہتا ہے کہ اس کے کھانے پینے کی تحقیق کرو، اگر اس کا کھانا حرام اور غیر طیب ہے تو اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کا نفس ہی اس کے لیے

کافی ووافی ہے، تیری مزید وہاں ضرورت نہیں۔

آپ نے دیکھا، محض غیر طیب کھانے پر ہی شیطان ہاتھ کھینچ لیتا ہے کہ اب وہاں مزید فساد کی چنداں حاجت نہیں۔

صوفیاء نے لکھا کہ غیر طیب کھانے سے ہی نماز و عبادت میں انتشار، وساوس اور غیر معمولی اوہام کا ورود ہوتا ہے اور دلجمعی پیدا نہیں ہوتی۔ حلال و طیب شرطِ اوّل ہے۔ شیطانی وساوس سے حفاظت کے لیے خاص کر خضوع و خشوع میں اس کا بہت ہی زیادہ دخل ہے، اس لیے تزکیۂ قلوب اور نورِ باطن کے حصول کا دارو مدار ہی حلال وطیب پر ہے۔

لباس اور برتن کے استعمال میں احتیاط

(۳۸) وہ لباس جو شرعاً حرام ہے، اور لباس کی وہ ہیئت جو شرعاً ممنوع ہے اور وہ برتن جس کا استعمال شریعت روا نہیں رکھتی یا ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے، ان تمام کو محض شریعت کی چاہت پر چھوڑ دینا جزوِ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"یٰبَنِی اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاساً یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشاً وَّ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ" (سورۂ اعراف:۲۶)

اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمھاری شرم کی جگہ کو ڈھانکتا ہے اور کپڑوں میں زینت اور رونق بھی ہے اور سب سے بہتر پوشاک پرہیز گاری کا ہے۔

انسان کے سوا جتنے جاندار زمین پر پائے جاتے ہیں کوئی لباس نہیں پہنتا۔ سب ننگے رہتے ہیں۔ جو لباس سے نفرت کر کے ننگا ہوا وہ انسان سے جانور بن گیا۔

۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا اس کو آخرت میں ریشمی لباس نہ پہنایا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ریشم اور دیباج نہ

پہنو، اور سونے چاندی کے برتن میں نہ پیو، اور نہ ہی سونے چاندی کے برتن میں کھاؤ۔ اس لیے کہ (غیر مسلموں) کے لیے یہ دنیا میں ہے اور تمھارے لیے آخرت میں۔ (بخاری و مسلم)

۳) ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبر نام ہے حق کو جان بوجھ کر رد کرنے کا اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنے کا۔ (مسلم)

لباس میں خوش پوشی شریعت میں ممنوع نہیں، بلکہ پسندیدہ ہے۔ البتہ فخر و دِکھاوا منع ہے۔ حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے لباس میں میانہ روی مطلوب ہے۔

۴) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لطف و رحمت کی نظر سے اس شخص کو نہیں دیکھیں گے جس نے عجب و تکبر کے لیے اپنا لباس نیچے لٹکایا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

ناجائز کھیل و تماشہ

(۳۹) ہر وہ کھیل کود ناجائز و حرام اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے جس میں تضیعِ اوقات، عورت مرد کا آزادانہ اختلاط، مال و زر کا ضیاع، فحاشی اور بے حیائی کے مناظر عام ہوں ایسے تمام کھیل تماشے حرام ہیں۔ ان سے بچنا اور دور رہنا جزوِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ" جمعہ، ۱۱

آپ فرمادیجیے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب ہے) خدا کے پاس ہے، وہ ایسے مشغلے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے۔

خرید و فروخت اور کھیل و تماشہ اکثر غفلت کا سبب بنا کرتا ہے۔ آیت پاک کے ذریعے اہلِ ایمان کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ لایعنی کھیل و تماشہ سے دور رہیں۔

پرانے زمانے میں کسی شخص کی بہادری کا معیار شیر سے مقابلے میں قائم کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس عمل نے ظلم و بربریت کی شکل اختیار کرلی، بادشاہ تفریحِ طبع کے لیے کئی کئی روز

شیروں کو بھوکا رکھتے پھر دشمن یا دشمن کے لوگوں سے ان بھوکے شیروں کو بھیڑا دیتے۔ شیر جب خونخوار انداز میں اس انسان پر حملہ آور ہوتا اور اس انسان کے جسم کے ٹکڑے کرتا، اسے نوچتا اور پھاڑتا تو یہ انسانیت کے دشمن اس منظر کو دیکھ کر جیکار لگاتے اور خوش ہوتے۔ اسلام کی آمد نے جن تاریکیوں کو روشنی بخشی ان میں یہ انسانیت سوز حرکت بھی ہے، امریکہ اور یوپ کی فری اسٹائل کشتی اسی کی مہذب شکل ہے۔

خرچ میں میانہ روی

(۴۰) خرچ میں میانہ روی یعنی جس میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ کنجوس کا مظاہرہ کیا جائے وہ جزوِ ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف وفضول خرچی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا بخل و کنجوسی ہے۔ صاحبِ ایمان کو ان دونوں کے بیچ کی راہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرچ کرنا جس کو قرآن کی زبان میں 'قوام' کہتے ہیں یعنی افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَّحْسُوْراً" (سورۂ بنی اسرائیل، ۲۹)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔ یعنی میانہ روی کی راہ بتائی جارہی ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ دینی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملامت و مذمت کا مستحق قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور پچھتانے والا) قرار پائے گا۔

"وَ الَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذَالِكَ قَوَاماً" فرقان

وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں ٭اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ سے روایت ہے: رسولِ خدا ﷺ نے تین باتوں سے منع فرمایا: (۱) مال ضائع کرنے سے (۲) بیجا سوال کرنے سے (۳) تیسرا جزو جو یہاں نہیں ہے وہ لڑکی کو زندہ درگور کرنے سے۔ بعض جگہ ماں کی نافرمانی کرنے سے اور بعض جگہ بخل اور سوال کرنے سے۔ (بخاری و مسلم)

حسد و کینہ سے دوری

(۴۱) حسد و بغض امراضِ باطنی کی قسمیں ہیں۔ یہ وہ امراضِ قبیحہ ہیں جو ایمان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ احادیثِ رسول ﷺ میں اس مہلک مرض کی مختلف انداز میں نشاندہی کی گئی ہے اور مومنوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حسد کی تباہ کاری سمجھنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ حاسد حسد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو نامنظور کرتا ہے۔ اللہ نے کسی بندے کو عزّت و شہرت، مال و دولت دی اور یہ شخص اس کے حسد یعنی اس کے اس مرتبے سے ناخوش ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور اس کے فیصلے سے ناخوش ہے۔

"اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (سورۂ نساء، ۵۴)

یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

۱) حضرت انس ﷺ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپس میں حسد اور دشمنی اور بے تعلّقی مت رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (مسلم)

۲) حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپسی دشمنی اور حسد اور غیبت نہ کیا کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو، کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین راتیں ترکِ کلام وسلام میں گزارے۔ اگر (راہ) میں مل جائے

تو دونوں راستہ بدل لیں اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پیش قدمی کرے۔ (بخاری)

امام بیہقی "مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو آسمان میں واقع ہوا وہ حسد ہے اور یہ حسد کرنے والا شیطان تھا۔

مسلمانوں کی آبروریزی سے بچنا

(۴۲) مسلمانوں کی آبروریزی اور ہر وہ حرکت جس سے کسی مسلمان کی دل آزاری ہو اسلام میں حرام ہے۔ اس کا پاس ولحاظ جزوِ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشادِ ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ" (سورۂ نور، ۱۹)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک سزا ہے۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" (سورۂ نور، ۲۳)

جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔

۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو نہ مسلمان کو تکلیف دیتا ہے، نہ رُسوا کرتا ہے، نہ حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے، اور اشارہ کیا اپنے سینۂ مبارک کی طرف۔ کسی انسان کے بُرا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (مسلم)

۲) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ایک شخص دوسرے شخص کو فسق کے ساتھ متّہم کرتا ہے یا کفر کے ساتھ اور وہ شخص نفس الامر (علمِ الٰہی) میں

ویسا نہیں ہے تو یہ فسق و کفر اسی کی طرف لوٹتا ہے، جو کلمہ زبان سے نکالتا ہے۔ (الحدیث)

یعنی کوئی شخص کسی کو کہے کہ تو فاسق گنہگار ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کہنے والا اس گناہ میں مرتکب ہو کر رہے گا، اس لیے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اُنگلی اُٹھانے سے پہلے اپنا محاسبہ کر لے انشاء اللہ یہ عادت ختم ہو جائے گی اور یہ اپنے عمل سے مقامِ بلند پر فائز ہو جائے گا۔

اخلاص للہ

(۴۳) تمام اعمال میں اخلاص ایمان کا وہ بنیادی جز ہے جس کے بغیر کوئی عمل، عملِ مقبول نہیں ہوسکتا اور اس سلسلے کی کوشش میں اپنے آپ کو ریا، شہرت اور نام و نمود سے بچاتے ہوئے ہر عمل میں رضائے الٰہی پیدا کرنا جزوِ ایمان ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ مَا اُمِرُوۡا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ" (سورۃ البینۃ، ۵)

ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لیے خالص رکھیں۔

"مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ" (سورۃ شوریٰ، ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

"مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیۡہِمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فِیۡہَا وَ ہُمۡ فِیۡہَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ" الآیۃ (سورۃ ہود، ۱۶-۱۵)

جو شخص محض حیاتِ دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا میں ہی پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں۔ اور ان کے لیے دنیا میں کچھ کمی نہیں رہتی، یہ ایسے لوگ

ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں، انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا۔ اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے۔

۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں تمام شریک کرنے والوں کے شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے میرے لیے کوئی عمل کیا اور پھر اس میں کسی کو شریک کرلیا تو میں اس سے بیزار ہوں اور وہ عمل اس شخص کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔ (مسلم)

۲) حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم میں حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص طلبِ شہرت یا دِکھاوے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ عز و جل اس کو قیامت میں شہرت کی جگہ خبر بد سنائیں گے اور ریا والے اعمال کو برباد کردیں گے۔ (العیاذ باللہ)

سلف کے حوالے سے امام بیہقی رقم طراز ہیں: سہل بن عبد اللہ کا قول ہے: اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ اعمال پر سوائے اللہ تعالیٰ کسی سے تعریف کا خواہاں نہ ہو۔

حضرت ربیع بن خیثم کا قول ہے: ہر وہ قول و فعل جس سے رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو بیکار ہے۔ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ افتقارِ آدمؑ، زہدِ عیسیٰؑ، جہدِ ایوبؑ، اطاعتِ یحییٰؑ، استقامتِ ادریسؑ، محبتِ خلیلؑ اور خلقِ حبیب ﷺ کے ساتھ عدالتِ الٰہی میں آئے مگر ادنیٰ درجہ بھی ریا اُن اعمال میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو رد فرمادیں گے۔ اس لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کھانے پینے اور سونے میں رضائے الٰہی کی نیت رکھو۔

نیکی پر خوشی، بدی پر غم

(۴۴) نیکی پر خوش ہونا اور بدی پر غمگین ہونا شعبِ ایمان میں داخل ہے۔ ارشاد ہے:

''اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ۔'' (سورۂ دہر، ۲۹) خبردار! دل کا سکون اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے خوشحالی ہے اور بہترین ٹھکانا ہے۔

"وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ" (سورۂ حجر، ۹۷)

اور ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپؐ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نیکی پر خوش اور بدی پر تنگ دل ہو وہ مومن ہے۔ (ابو داؤد)

نیکی یعنی اعمالِ صالحہ روح کی غذا ہے جس سے روح کو تقویت پہنچتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے فرحت و مسرت کی اصل جگہ انسان کا دل ہے اور مرکزِ غم اور حزن و ملال بھی وہی ہے۔ اس لیے مومن سے جب گناہ صادر ہوتا ہے تو قلب اس پر اظہارِ افسوس کرتا ہے جبکہ نیکی سے دل کو مسرت ہوتی ہے جو باعثِ سکون و راحت ہے۔ یہیں سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ اصل سکون و راحت اللہ تبارک و تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اسی کا اصل میں دل پر تسلّط ہے۔

توبہ و انابت

(۴۵) توبہ ایمان کی علامتوں میں ایک اہم علامت ہے۔

یعنی توجہ کامل کے ذریعے اپنے گناہوں سے رجوع کرنا۔ توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں جس میں بنیادی طور پر یہ شرطیں پائی جاتی ہیں:

(۱) جس گناہ میں مبتلا ہو اس کو فوراً ترک کردے۔ (۲) ماضی میں جو گناہ ہو چکا اس پر نادم ہو۔ (۳) جس گناہ میں مبتلا ہے اس کو چھوڑ دینے کے بعد آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ (۴) اگر حقوق العباد ہے تو اس کی ادائیگی کرے ورنہ صاحبِ حق سے معافی مانگ لے، مثلاً کسی کا مال ذمہ ہے تو ادا کرے اور غیبت وغیرہ کیا ہے تو معاف کرائے۔ فریضۂ الٰہی اگر چھوٹا ہوا ہے تو اس کی قضا میں لگ جائے۔ (۵) توبہ محض اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ و انابت حکمِ خداوندی ہونے کی وجہ سے مستقل ایک عبادت ہے۔ اس سے اُکتانا نہیں چاہیے۔ بندۂ مومن کو ہر حال میں اس سے فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْا" (سورۂ اعراف، ۱۵۳)

وہ لوگ جنھوں نے گناہ کیے پھر توبہ کرلیا اس کے بعد اور ایمان لے آئے یقیناً تمھارا رب اس کے بعد بڑا مغفرت رحم کرنے والا ہے۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً" (سورۂ تحریم، ۸)

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرلو۔

صحیح مسلم اور ابو داؤد میں حدیث ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: میرے قلب پر ایک بادل سا چھا جاتا ہے تو میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم، ابو داؤد)

امام الانبیاء خاتم المرسلین ﷺ فرماتے ہیں کہ میں دن میں سو بار اللہ سے تو واستغفار کرتا ہوں تو ہم کو کتنی بار توبہ و استغفار کرنا چاہیے؟ حدیث سے واضح ہے کہ توبہ و استغفار مومن کا ہتھیار ہے، جس سے گناہ کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ قلبِ مومن پر جب تاریکی آتی ہے تو اس کے ازالے کے لیے شریعت میں توبہ واستغفار کو علاج بتلایا گیا ہے۔

القرابین یعنی جانوروں کی قربانی

(۴۶) اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کے جذبے سے جانوروں کی قربانی ایمان کا اہم رکن ہے اس میں وہ جانور جو حجاجِ کرام ہمراہ لے جاتے ہیں جس کو 'ھدی' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا قربانی یا عقیقہ کا جانور یا پھر وہ جانور جو محض لوجہ اللہ ذبح کیا جائے سب قرابین میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ" (سورۂ کوثر، ۲)

سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔

"وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ" (سورۂ حج، ۳۶)

اور قربانی کے اونٹ گائے ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمھارے

لیے فائدے ہیں۔

"ذَالِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" (سورۂ حج،۳۲)

جو شخص دینِ خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ کرے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا خدا تعالیٰ سے دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بقرعید کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (یعنی یہ چیزیں زیادہ ثواب ملنے کا سبب بنیں گی۔) نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے لہٰذا تم خوشدلی سے قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مینڈھے اپنے دستِ مبارک سے قربان کیے اور ذبح سے پہلے اپنا قدم مبارک اس کی گردن پر رکھا، اور 'بسم اللہ اللہ اکبر' پڑھا۔ (بخاری و مسلم)

معروف میں اہلِ حکومت کی اطاعت دین کا جز ہے

(۴۷) اللہ تعالیٰ کی زمین شر و فساد، ظلم و عدوان سے بچی رہے۔ یہاں کسی پر زیادتی نہ ہو اور زیادتی کی شکل میں ظالم کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی مدد ہو تاکہ زمین میں بسنے والے انسان سکون و اطمینان اور راحت و آرام سے زندگی بسر کر سکیں۔ اس طرح کے روحانی ماحول کی ضرورت انسانی ضمیر کی آواز ہے۔ انسانیت کی اسی ضرورت کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی کہ انصاف کرنے والے حاکمِ وقت کی صلاح و تقویٰ اور بھلائی و خیر خواہی میں یعنی معروف میں ان کی پیروی کی جائے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"

تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ؐ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہلِ حکومت ہیں ان کا بھی۔ (نساء، ۵۹)

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، او جو امیر کی اطاعت کرے اس نے میری اطاعت کی جو امیر کا حکم نہ مانے تو اس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری، مسلم)

اسلام میں امارت کے تحت زندگی بسر کرنے پر بے حد زور دیا گیا ہے تاکہ آپس کے تنازعہ کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا جاسکے، اس لیے مسلمانوں پر امیر کا انتخاب انتہائی ضروری ہے، مگر مسلمانوں نے اس اہم فریضے کو ترک کردیا، جس کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا اور بے یار و مددگار رہ گئے۔ وہ مر رہے ہیں مارے جارہے ہیں، ان کو جلایا جارہا ہے، ان کی بہن بیٹیوں کی عزّت لوٹی جارہی ہے، ظلم و بربریت کے پہاڑ ان پر توڑے جارہے ہیں، دنیا کے کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ ہر جگہ یہ تعداد میں بہت، دولت وسلطنت بھی ان کے پاس خوب لیکن جونہیں ہے وہ امارت و امیر نہیں ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ امارت و امیر کے قرآنی فارمولے کو دنیا کی باطل قوموں نے اختیار کیا اور وہ آج کامیابی سے ہم کنار ہیں، مسلمانوں کے لیے شرم کی بات ہے کہ وہ اپنا مسئلہ لے کر بھکاریوں کی طرح یہودیوں، نصرانیوں، ہندوؤں کے پاس جاتے ہیں۔ جبکہ ذلت کے سوا ان کے حصہ میں کچھ نہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بار بار کی اس ذلت نے بھی مسلم قوم میں شعور پیدا نہیں کیا اور نہ وہ قرآنی فارمولے کی طرف پلٹے۔

اہلِ حق کا ساتھ دینا شعبۂ ایمان

(۴۸) اہلِ حق جماعت مسلمین کے مسلک و مشرب پر قائم رہتے ہوئے اسی گروہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا ایمان کی عظیم الشان علامت و پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً وَ لَا تَفَرَّقُوْا" (سورۂ آلِ عمران، ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے سلسلے کو اور باہم نا اتفاقی مت کرو۔

یعنی دینِ اسلام کی بنیاد پر آپس میں ایک اور متحد رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہو کیونکہ یہی ایک نجات کا راستہ ہے۔

۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو امیر کی اطاعت سے نکلا اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا اور اسی حال میں مرا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی۔ (مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

۲) ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: میرے بعد بہت شر و فساد ہوگا، تم میں سے جو ایسے شخص کو دیکھے جو میری مجتمع اُمت میں تفریق (جدائی) کر رہا ہو تو ایسے شخص کو قتل کردو خواہ وہ کوئی مسلمان ہو۔ (الحدیث)

اس حدیث میں اس شخص کو قتل کر کے اجتماعیت کو بحال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسلام اجتماعیت و اتحاد کا نام ہے۔ جماعت کے ساتھ حق تعالیٰ کی نصرت ہے، غیر جماعتی زندگی کا تصوّر اسلام میں نہیں، اور اسلام بنی نوعِ انسان کو صرف ایک کلمہ کی تعلیم دیتا ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ خواہ وہ احمر ہو یا اسود، عجم ہو یا عرب، ایرانی ہو یا ترک، زندگی کے ہر شعبے میں اسلام جو نظامِ وحدت پیش کرتا ہے، اس کی تکمیل جماعتِ مسلمین کے بغیر ممکن نہیں، جماعتِ مسلمین میں وہ جماعتیں بھی شامل ہیں جو اساسِ دین، عقائدِ اسلام اور مذہب اسلام کی بنیاد پر متفق ہیں۔ رہا جزوی اختلاف تو یہ جماعتِ مسلمان پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب!

مومن کا انصاف پسند ہونا

(۴۹) بنی نوعِ انسان کے ہر فرد کے ساتھ بلا امتیاز قوم و نسل، عدل و انصاف کا معاملہ کرنا، اسلامی تعلیم کا وہ زرّین باب ہے جس کی مثال مذاہب کی تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ صدرِ اوّل میں مسلمانوں کی اس انصاف پسندی نے سخت سے سخت دشمنِ اسلام کو اسلام کا گرویدہ اور مسلمانوں کا عاشق بنا دیا۔ یہ اس وصفِ عظیم کمالِ ایمان کا حصّہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ" (سورۂ نساء، ۵۸)

اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کرو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد دو چیزوں میں جائز ہے؛ ایک وہ شخص جس کو حق تعالیٰ نے مال سے نوازا ہو اور وہ ہمیشہ راہِ حق میں مال خرچ کر رہا ہو، جس کو اللہ نے علم و حکمت سے نوازا جس کے ذریعے وہ آپس میں حق و انصاف کا فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حاصل یہ ہے کہ عدل و انصاف عدالت کی زینت ہے، جس کے ذریعے مغلوب کو حق دیا جاتا ہے۔ اور فریادیوں کی فریاد رسی ہوتی ہے، عدل و انصاف کے ترازو میں امیر غریب، حاکم محکوم سبھی یکساں ہیں۔ قرنِ اوّل کی اسلامی عدالتیں اس قسم کے ہزاروں واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ حاکم الوقت امیر المومنین ایک یہودی کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا نظر آتا ہے اور باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت کو قاضیٔ وقت رد کرکے، یہودی کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ امیر المومنین خاموش ہیں۔ معاملہ اصولی اور عدلیہ کی بالادستی کا ہے۔ کوئی ہو قانون سب کے لیے یکساں ہے۔ چنانچہ مسلمان حاکم کی انصاف پسندی اور میزانِ عدل یہودی کو اسلام کی حقانیت پر سرنگوں کردیتا ہے۔ کہاں گئیں وہ عدالتیں؟ کیوں محوِ خواب ہیں قضاۃ؟ کیوں ساکت ہے نظامِ عدل؟ ان سب کا اگر کوئی جواب ہے تو یہ کہ مسلمان دعوتِ دین کے لیے کمربستہ نہیں۔

قیامِ امن مسلمانوں کی ذمہ داری

(۵۰) 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ایمان کا اہم جز ہے۔ یہ دونوں شعبے بے حد اہمیت کے حامل ہیں، جس کے ذریعے قیامِ امن اور ہر قسم کے مقاصد بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔ بھلائی کا حکم یا اس کی حوصلہ افزائی، برائی کی نکیر یا اس کی حوصلہ شکنی دراصل قیامِ امن کا دوسرا نام ہے۔ اس معاشرے کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں میں اچھے برے کی تمیز ہو اور کچھ لوگ اچھائی کے پھیلانے اور برائی کے روکنے پر کمربستہ ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"وَ لْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ، وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (سورۂ آلِ عمران،۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اس لیے لعنت بھیجی کہ انھوں نے لوگوں کو برائی سے منع نہ کیا۔حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ، ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُنْکَرٍ فَعَلُوْہٗ" (سورۂ مائدہ،۷۹)

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داوٗدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے، یہ لعنت اسی سبب ہوئی کہ انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے، جو برا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے، واقعی ان کا فعل بے شک بُرا تھا۔

پتہ چلا نہی عن المنکر یعنی برائی پر نکیر کرنا، اُمتِ محمد ﷺ کا وظیفہ ہے، اور اس عظیم صفت سے دوری بڑی بدنصیبی ہے اور اُمت کا جو فرد اس سے پہلوتہی کرتا ہے وہ اس لعنت میں شامل ہے جو اللہ کے مقرب انبیاء حضرت داوٗدؑ اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے بھیجی ہے۔ اللہ نے قرآن میں خیرِ اُمت ہونے کی وجہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قرار دیا ہے جب صفات خیر نہ ہوگی تو پھر من جانب اللہ معاملہ بھی خیر کا نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم آج کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آسمانی مدد ہمیشہ نہی عن المنکر پر آتی ہے، الحمد للہ کسی درجہ میں معروف کی محنت ہو رہی ہے لیکن نصرت کا وعدہ نہی عن المنکر پر ہے جس سے ہم دور ہیں۔

کفار ومفسد گروہ سے دوری

(۵۱) مُبَاعَدَةُ الْكُفَّارِ وَ الْمُفْسِدِيْنَ وَ الْغِلْظَةُ عَلَيْهِمْ یعنی کفار اور مفسد گروہ سے دوری اور ان لوگوں کے ساتھ سخت گیر رویہ اختیار کرنا علامتِ ایمان ہے۔

کفار ومشرکین سے یا جماعتِ مفسدین سے دوری کی اصل یہ ہے کہ ان کی زندگی کا معیار آزادانہ طور طریق، مشرکانہ رسم و رواج اور باطل عقائد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ سماجی زندگی کا بھی وہاں کوئی اعتبار نہیں ہوتا پھر ان کے حدودِ معاشیات و اقتصادیات کا تصوّر تو سراسر اسلام کے نظریۂ معاشیات و اقتصادیات سے ٹکراتے ہیں۔ الغرض زندگی کے ہر شعبے میں نفسانی خواہشات کا آخری نمونہ وہاں موجود ہوتا ہے جبکہ اسلامی معاشرہ ان تمام کمزوریوں، برائیوں اور ہر طرح کے باطل عقائد سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً" (سورۂ آلِ عمران، ۲۸)

مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کرکے۔ اور جو شخص ایسا کام کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں۔ مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہو سکتے ہیں؛ (۱) موالات یعنی دوستی (۲) مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی (۳) مواسات یعنی احسان ونفع رسانی۔

احکام: کافروں کے ساتھ نمبر ا یعنی موالات تو کسی صورت میں جائز نہیں۔

نمبر دو مدارات: تین حالتوں میں درست ہے؛ (۱) ایک رفعِ ضرر کے واسطے یعنی اس کے نقصان سے بچنے کے واسطے (۲) دوسرے اس کافر کے مصلحتِ دینی کے واسطے یعنی توقع ہو کہ میرے قریب جانے سے وہ ہدایت قبول کرسکتا ہے (۳) تیسرے اکرامِ ضیف کے لیے۔ مہمان نوازی کے واسطے۔ اور نمبر تین مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہلِ حرب کے ساتھ ناجائز ہے۔

۱) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم راستے میں مشرکین سے ملو تو تم سلام کی ابتدا نہ کرو اور ان کو مجبور کرو تنگ راستہ کی طرف۔ (مسلم)

۲) حضرت ابی سعید خدری ؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارا کھانا، دیکھو، نیک ہی لوگ کھائیں اور تمھاری دوستی مومن ہی سے ہو۔ (الحدیث)

اس حدیث میں واضح طور پر ساتھی اور مصاحب مومن کو بنانے کی تاکید کی گئی ہے اور کھانا بھی نیک و صالح کو کھلانے کی ترغیب ہے۔ غیر صالح کی صحبت خود کو راہِ فساد پر ڈالنے کے مترادف ہے اور کھانا کھلانے میں مفسد کی اعانت ہوتی ہے، اس لیے اس کی مخالفت کی گئی ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند   صحبتِ طالح ترا طالح کند

صحبتِ بد سے ہمیشہ بھاگ تو   ورنہ بن جائے گا کالا ناگ تو

اِکرامُ الجار- پڑوسی کا احترام و اکرام

(۵۲) کسی سوچ و فکر کا انسان ہو وہ جن چند چیزوں پر بہت زیادہ توجہ دیتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ سماجی زندگی میں وہ اس کا خواہش مند رہتا ہے کہ وہ لوگوں سے ملتا جلتا رہے اور لوگ اس سے ملتے جلتے رہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے، وہ انسانوں کی اس فطری ضرورت کی تکمیل کی پڑوسیوں کے حقوق کی شکل میں عائد کرتا ہے۔ زبانِ نبویؐ اس عمل کو کمالِ ایمان کا سبب و ذریعہ گردانتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ"

اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہلِ قرابت کے ساتھ بھی۔ اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی۔ اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی۔ (سورۂ نساء، ۳۶)

۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جبرئیل علیہ السلام

برابر پڑوسی کے حقوق کے سلسلے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ ان کو مال میں شریک کر کے ورثاء میں شمار کر دیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

۲) پڑوسی کے ہم پر کیا حقوق ہیں، اس کو اچھی طرح مستحضر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حدیث جس کو حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'فتح الباری' میں نقل کیا ہے:

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جانتے ہو کہ پڑوسی کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ (۱) اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر (۲) اگر مانگے تو اس کو قرض دے (۳) اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر (۴) اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کر (۵) اگر مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا (٦) اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دے (۷) اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر (۸) بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر جس سے اس کی ہوا رُک جائے۔ (۹) اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے (۱۰) اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو اسی طرح پوشیدہ کھا کہ وہ نہ دیکھ سکے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے۔ کہیں پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو جائے (۱۱) اور اپنے گھر کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو پکائے اس میں سے اس کا بھی حصہ لگا۔ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؟ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے۔

مہمان نوازی شعارِ ایمان

(۵۳) اکرام الضّیف یعنی مہمان نوازی جزوِ ایمان ہے۔

مہمان کے ساتھ اکرام و خوش خلقی کا معاملہ کرنا اسلام کا حکم ہے۔ مہمان نوازی رضائے الٰہی کا سبب و ذریعہ ہے، اس انسانی خدمت کے صلے میں بھلائیوں اور ایک دوسرے کی خدمت کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے، جس سے معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" کا عملی نمونہ سامنے آتا ہے۔ اسلام میں ہی نہیں بلکہ اسلام سے قبل بھی اس کا بڑا

عام رواج تھا اور اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہر طبقے میں ہمیشہ شمار ہوتا آیا ہے۔ امیر وغریب سب اپنی حیثیت کے مطابق اس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس طرح یہ عمل انسانی فطرت کا حصّہ معاشرتی ضرورت اور سماجی زندگی کا لازمہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ یہ اس کا حق ہے۔ عرض کیا گیا: کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دن رات اور ضیافت تین دن ہے اور تین دن سے زائد صدقہ ہے مہمان پر۔ اور فرمایا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اچھی باتیں کرے یا خاموش رہے۔ (بخاری ومسلم)

پردہ پوشی جزوِ ایمان

(۵۴) لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالنا انسانی صفات میں سے وہ صفت ہے جو کسی انسان کے بلند صفات ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسانوں کو پسند فرمایا ہے جو بندوں سے اللہ والا سلوک کریں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالتا رہتا ہے۔ جب یہ صفت کسی انسان میں رہتی ہے تو گویا وہ خدا کی رضا وخوشنودی میں لگا ہے اور یہ صفت جزوِ ایمان ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِالْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ" (سورۂ حج، ۲۵)

جو لوگ (بعد نزول آیات بھی) چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی نہ تو ظلم کرتا ہے نہ تکلیف دیتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتے رہتے ہیں۔ جو کسی مومن کی پریشانی دنیا میں دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی آخرت میں دور کریں گے اور جو دنیا میں کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالیں گے۔ (بخاری ومسلم)

صبر علامتِ ایمان

(۵۵) مصیبت پر صبر کرنا، تکالیف برداشت کرنا اور ناگفتہ بہ حالات سے سمجھوتہ اور یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہو تو صبر کہلاتا ہے۔ یہ انبیاء محبوبینِ ربّ العالمین کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے، یہ ایمان کا عظیم وصف ہے۔

نفس کی کشش ہمیشہ لذت وشہوت کی جانب ہوتی ہے، اس سے باز رہنا صبر کے مفہوم میں داخل ہے۔ خواہشاتِ نفس سے باز رہنا خواہ اطاعت وفرمانبرداری کے لیے ہو یا پریشانی و مصیبت کے لیے، یا گناہ سے بچنے کے لیے ہو، سب صبر ہے۔ اس لیے علماء نے صبر کی تین قسمیں بتائی ہیں:

(۱) **صبر علی الطاعۃ**: یہ اطاعتِ خداوندی میں جو دشواری اور نفس کو جو گراں باری ہو اس پر صبر کرنا، جیسے سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا صبر علی الطاعہ ہے۔

(۲) **صبر علی المصائب**: مصیبت و آفتِ سماوی وارضی پہنچے اس پر صبر کرنا، جزع وفزع اور گلہ وشکوہ سے باز رہنا صبر علی المصائب ہے۔

(۳) **صبر عن المعصیۃ**: نفس میں خواہش پیدا ہو کہ فلاں گناہ کیا جائے، بظاہر اس میں لذت ہے مگر نفس کے داعیۂ گناہ پر عمل نہ کرنے کا نام صبر عن المعصیۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ وَ اِنَّھَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخَاشِعِیۡنَ"

اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ (سورۂ بقرہ، ۴۵)

" وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡھُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ وَّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُھۡتَدُوۡنَ"

اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیں (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی

مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں۔ اُن لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوں گی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگی۔ (سورۂ بقرہ، ۱۵۷-۱۵۵)

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: انصار کے کچھ لوگ رسولِ خدا ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے ان کو عطا کیا کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کوئی سوال کرتا تو آپ ﷺ اس کو کبھی خالی نہیں واپس کرتے۔ کچھ نہ کچھ ضرور عطا کرتے۔ جب سارا مال ختم ہوگیا اور آپ کے پاس کچھ بھی سائل کے لیے نہیں بچا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو سوال سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سوال سے بچالیتا ہے (یعنی غیب سے اسباب ایسے پیدا کر دیتا ہے کہ وہ سوال ہی نہ کرے) اور جو بے نیازی کی صفت اپنے اندر پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو باطناً غنی بنا دیتا ہے (کہ اُس کے قلب میں حاجت ہی کسی چیز کی نہیں رہ جاتی) اور جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق بخشتے ہیں کہ سب سے بڑی عطاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق دے دیں۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ شدید بخار میں ہیں۔ میں نے عرض کیا: آپ ﷺ کو تو دو آدمی کے برابر بخار ہے (یعنی تنہا آپ ﷺ کو اتنا بخار ہے جو عام طور پر دو آدمی کو ہوتا ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں مجھ کو دو آدمی کے برابر بخار ہے۔ میں نے عرض کیا: یہ اس لیے کہ آپ کو دوہرا اجر و ثواب ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہی بات ہے۔ دیکھو جب مسلمان کو مصیبت و اذیت پہنچتی ہے یا ادنیٰ تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کسی سیئات کو مٹا دیتے ہیں جس طرح درخت کا پتہ موسمِ سرما میں درخت سے جھڑ جاتا ہے۔

قناعت ایمان کا لازمی حصہ ہے

(۵۶) "اَلــزُّھْـدُ وَ قَـصْـرُ الْاَمَـلِ" یعنی طبیعت کو آخرت کی طرف مائل رکھنا، دنیوی زندگی میں مالِ حلال سے بقدر کفاف پر قناعت کرتے ہوئے خدا کی عظمت کو غالب رکھنا زہد ہے۔ اور اسبابِ زندگی میں ضرورت کے سامان میں کم سے کم پر قانع رہنا اور دنیوی اُمیدیں کم سے کم کی رکھنا قصر الامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ رزقِ حلال میں بقدر کفاف اور متاعِ دنیا سے بقدر ضرورت پر زندگی بسر کرلینا صفاتِ ایمان اور علامتِ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

''سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعتہً آ پڑے سو اس کی علامتیں تو آ چکی ہیں۔'' (سورۂ حدید)

(۱) حضرت انس بن مالک ﷺ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: میں اور قیامت دونوں اس طرح ہیں جس طرح شہادت کی اور اس سے متصل اُنگلی ہے۔ (بخاری)

(۲) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جس سے لوگ دھوکے میں ہیں، صحت اور فراغتِ وقت۔ (بخاری)

یعنی عام طور پر لوگ ان دو نعمتوں کا صحیح فائدہ نہیں اُٹھاتے بلکہ غلط استعمال کرتے ہیں، صحت جیسی عظیم نعمت کو جان بوجھ کر ضائع کر دیتے ہیں اور فراغت کے وقت کو یوں ہی لایعنی کاموں میں اُڑا دیتے ہیں۔

بے حیائی سے دوری

(۵۷) اَلْغِیْرَۃُ وَ تَرْکُ الْبِذَاءِ شرم و غیرت اور بے حیائی کی باتوں سے بچنا علامتِ ایمان ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْبِذَاءُ مِنَ الشَّیْطَانِ۔

بذاء کی تعریف: نہایہ اور حلیمی میں یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے پاس غیر مردوں کو بھیجے تاکہ وہ اس سے دل لگی اور تفریح کرے، جس کو آج کی زبان میں ہنسی مذاق کہتے ہیں، بڑے

افسوس کی بات ہے کہ آج کل اس کا اعلیٰ تہذیب اور پڑھے لکھے سوسائٹی کی علامتوں میں شمار ہوتا ہے حالانکہ یہ بے غیرتی کی بدترین مثال ہے۔

برائی کی دوسری شکل یہ ہے کہ سالیاں بہنوئیوں کے پاس بے مہار آتی جاتی ہیں۔ اس کو کوئی برائی یا گناہ نہیں سمجھا جاتا جبکہ یہ برائی پہلی برائی سے کسی طرح کم نہیں۔ آج بہت سی ایسی مثالیں سامنے ہیں کہ سالیاں بہنوئیوں کے ساتھ فرار ہوگئیں یا بے پردگی اور اختلاط کی نحوست سے بہنوئیوں کے تعلقات بہ یک وقت دونوں بہنوں سے قائم ہوگئے۔ افسوس مہذب سمجھے جانے والے اعلیٰ حسب نسب کے تعلیم یافتہ گھرانوں پر، جہاں اب یہ برائی برائی رہی ہی نہیں۔ سالیاں بہنوئیوں کی دل بستگی کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ ماں باپ کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں، معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ آمین

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ عز و جل غیرت کرتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، حق تعالیٰ سے غیرت یہ ہے کہ مومن حرام کی ہوئی اشیا کا ارتکاب نہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

الغرض شرم و حیا علامتِ ایمان ہے اور بے شرمی جس کو حدیث میں بذاء سے تعبیر کیا گیا ہے، علامتِ نفاق ہے۔ اللہ پاک جملہ برائیوں سے بالخصوص نفاق سے ہماری حفاظت فرمائے۔

لغویات سے بچنا ایمان کا جزو

(۵۸) اَلْاِعْــرَاضُ عَــنِ الــلَّـغْـوِ بیکار ولغو باتوں سے احتراز و اجتناب۔ بیکار اور غیر ضروری کاموں سے دوری انسانی خوبی کا وہ پہلو ہے جس سے انسان کی منصوبہ بندی ہنر مندی اور اس کی صحیح سوچ وفکر کا پتہ چلتا ہے۔ بیکار اور لغو باتوں میں ایسے لوگ مشغول رہتے ہیں جن کے سامنے کچھ کر گزرنے کا جذبہ اور پروگرام نہیں ہوتا۔ لغویات سے بچنا جزوِ ایمان ہے۔

الغرض، سو خوبیوں کی یہ ایک خوبی علاماتِ ایمان میں سے ایک علامت ہے۔ ارشاد ہے:

"قَـدْ اَفْـلَـحَ الْـمُؤْمِنُوْنَ ☆ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ☆ وَ الَّذِیْنَ هُمْ

عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ" (سورۂ مومنون،۳-۱)

بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے بر کنار رہنے والے ہیں۔

"وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَاماً" (سورۂ شعراء،۷۲)

اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس ہوکر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

"وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ" (سورۂ قصص)

اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں۔

حضرت علی ؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی (بیکار) باتوں کو چھوڑ دے۔

اگر ہم آج مسلم معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی جو خوبی بیان کی گئی ہے وہ ہم سے تقریباً رخصت ہے۔ ہمارا معاشرہ لایعنی کاموں کے مہیب غار میں گر چکا ہے۔ بڑے بوڑھے گپ بازی، تاش بازی، اخبار بینی میں، نوجوان چوک چوراہوں، ہوٹلوں میں وقت ضائع کرتے ہوئے یا فلم بینی اور دوسری اوباشیوں میں مبتلا ہیں۔

باشعور لوگوں کو آگے آنا چاہیے اور اس بگاڑ سے اُمت کو بچانے کی کوشش کرنا چاہیے۔

سخاوت ایمان کا رُکن ہے

(۵۹) سخاوت و فیاضی ایسی عظیم صفت ہے جو انسان کو مقامِ بلند پر فائز کرتی ہے۔ سخی تمام انسانوں میں ممتاز و باوقار سمجھا جاتا ہے۔ جس میں یہ صفت پائی جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبات ہوتے ہیں۔ صفتِ جود و سخا کمالِ ایمان کا حصہ ہے۔ ارشادِ باری ہے:

"وَ سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ، اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ" (سورۂ آلِ عمران،۱۳۴)

اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمھارے پروردگار کی جانب سے ہے۔ اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین ۔ وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے، ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں۔

"اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ، وَ اَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ عَذَاباً مُّھِیْناً" (سورۂ نساء، ۳۷)

جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہوں، اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہے اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر صبح دو فرشتے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے پاس بھیجتے ہیں جو دعاء کرتے ہیں اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو تو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ عرض کرتا ہے خدایا! جو خرچ نہ کرے اس کا مال تلف کر۔ (بخاری و مسلم)

۲) سخی اللہ سے، لوگوں سے، خدا کی رحمت سے، جنت سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ سے، لوگوں سے، اللہ کی رحمت سے اور جنت سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ (ترمذی)

ایمان کا اہم جزو

(۶۰) اَلرَّحْمُ عَلَی الصَّغِیْرِ وَ تَوْقِیْرُ الْکَبِیْرِ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عظمت کو ملحوظ رکھنا ایمانی علامتوں میں ایک اہم علامت ہے۔

یہ ایسی صفت ہے جو بندۂ مومن کی عزّت و توقیر اور مقام و رتبہ میں اضافہ کا سبب ہے۔ بڑا چھوٹے پر شفقت کرے گا تو چھوٹے کے دل میں بڑے کی عظمت آئے گی۔ چھوٹا بڑے کی عظمت کا خیال رکھے گا تو وہ بڑے کے دل میں جگہ پائے گا۔ بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں کی شفقت سے معاشرہ و سماج میں وہ مثالی فضا قائم ہوگی جس سے ہر صحیح الفطرت سلیم الطبع انسان

مستفیض ہوگا۔

۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو (۱۰۰) حصوں میں تقسیم کیا جس میں ننانوے حصّے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کیا اور ایک حصّہ زمین میں نازل فرمایا۔ جس کا اثر یہ ہے کہ تمام مخلوقات آپس میں محبت و رحمت کے ساتھ رہتے ہیں، یہاں تک کہ مادہ گھوڑی بھی اپنے پاؤں کو بچے سے ہٹا کر رکھتی ہے کہ کہیں بچے کو تکلیف نہ پہنچے۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے وہ مجھ سے نہیں۔ (ابو داؤد)

آپسی صلح و صفائی اور اصلاحِ ذات البین

(۶۱) اصلاحِ ذات البین: آپس میں صلح و صفائی کرانا جزوِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا یہ عظیم شاہکار ہے کہ اس نے انسانوں میں مختلف صلاحیتیں الگ الگ سوچ و فکر رکھی ہے۔ ضروری نہیں کہ سب ایک بات پر متفق ہوجائیں، ان میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ چونکہ طبائع مختلف ہیں اس لیے آپس میں نزاع ناگزیر ہے۔ اس موقع پر نیک و صالح یعنی کامل مومن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ آپس میں صلح و صفائی کے ذریعے آپسی نزاع کو دور کریں۔ چونکہ یہ صفت اعلیٰ صفت ہے، اس لیے یہ کمالِ ایمان کا سبب و حصہ ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ" الآية (سورۂ نساء، ۱۱۴)

عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" (سورۂ حجرات)

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔

حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں میں صلح کرائے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ وہ اچھی باتیں کہتا ہے اور اچھے ثمرات برآمد کرتا ہے۔ (بخاری)

تین مقام پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے؛ (۱) میدانِ جنگ میں (۲) دو آدمی کے مابین صلح کرانے کے لیے (۳) شوہر کا بیوی کے ساتھ خوش دلی کے لیے۔

آپسی صلح کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کو مذکورہ بالا فرمان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس بلند تر مقصد کے حصول میں جھوٹ جیسے قبیح اور ناجائز صفت کو ایک محدود دائرہ تک روا رکھا جاسکتا ہے۔

دوسروں کی پسند کا خیال

(۶۲) اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ان تمام چیزوں کو ناپسند جاننا جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہو۔ اس میں راستے کی تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا بھی داخل ہے۔ یہ ایمان کی ایک علامت ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"و المؤمنون و المؤمنات بعضهم اولياء بعض" (سورۂ توبہ:۷۱)

مومن مرد مومن عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔

۱) حضرت انس ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔ (بخاری شریف)

۲) مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہوجاتا

ہے اور بیدار رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ترکِ عُجب و تکبّر کمالِ ایمان

(۶۳) عجب کہتے ہیں اپنے آپ کو سب سے بہتر جاننا، سب سے اچھا سمجھنا، سب سے قابل تصور کرنا۔ یہ وہ صفت ہے جس سے انسان میں بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں، اس لیے اس صفت کو ختم کرنا ایمانی علامتوں میں ایک اہم علامت ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى" (سورۂ نجم، ۳۲)

پس تم اپنی پاکیزگی (اچھائی) آپ (خود اپنی زبانی) بیان نہ کرو، وہی پرہیزگاروں (اچھوں) کو خوب جانتا ہے۔

"سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا"

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں، اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔ (اعراف، ۱۴۶)

آیتِ پاک میں تکبر کا نتیجہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت سے دور ہی رکھتا ہے۔ پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں جہاں سے ہدایت پر آنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

۱) حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں داخل ہوگا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ اور نہیں داخل ہوگا جنت میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی کا جی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو (یہ سب کیا تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ (مسلم)

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے تواضع کی اللہ کے واسطے، اللہ نے اسے بلند درجے پر فائز فرمایا۔ پس وہ شخص اپنے دل میں چھوٹا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے قدر کردیتے ہیں، پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہے اور اپنے دل میں بڑا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص لوگوں کے نزدیک کتے، سوّر سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تکبّر، عُجب اور ریا میں علماء نے یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ ریا ہمیشہ عبادت اور امورِ دینی میں پیدا ہوتی ہے۔ تکبر امورِ دینی اور دنیوی دونوں میں پیدا ہوتا ہے، اور تکبر میں انسان دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے۔ عجب دینی دنیوی امور میں پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے کو بہتر، اچھا سمجھتا ہے، یہ تینوں بری صفات ہیں جو دینِ اسلام میں حرام ہیں۔

غصّے پر قابو جزوِ ایمان ہے

(۶۴) غصّے پر قابو پانا نیز غصّے سے دور رہنا اور اس کے دواعی پر عمل سے گریز کرتے رہنا جزوِ ایمان ہے۔ غصّہ از قسمِ ہلاکت و بربادی اور رُسوائی و ذلّت ہے۔ غصہ ان بری صفتوں میں سے ایک ہے جو دوسری بہت سی برائیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسے کسی پر غصہ نہ چل پائے تو اندر ہی اندر گھٹ کر کینہ اور حسد پیدا ہوجاتا ہے اور یہ غصہ کرنے والا مستقل اس غصّے سے پیدا شدہ حسد و کینہ کی آگ میں خود کو جلاتا رہتا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ الْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

ایسے لوگ جو روکنے والے ہیں غصّے کو اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیک کاروں سے محبت کرتے ہیں۔ (سورۂ آلِ عمران، ۱۳۴)

"وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ" (سورۂ سجدہ، ۳۵-۳۴)

اور نیکی و بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے ولی دوست۔ اور یہ بات انھیں نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں (غصّے سے دور) اسے سوائے بڑے نصیب والے کے کوئی نہیں پا سکتا۔

یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور ثمر آور ہے، لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر غصّے کو پی جانے والے ہوں گے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے ہوں گے۔

۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلوان وہ نہیں جو کُشتی میں مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ بڑا پہلوان وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (بخاری و مسلم)

۲) حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں اپنے غصّے کو روک لے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن اپنا عذاب روک لیں گے۔ (بیہقی)

۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا مجھ کو کچھ وصیت کیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: غصّہ مت کیا کرو۔ اس نے کئی مرتبہ یہی بات کہی، آپ ﷺ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ غصہ مت کیا کرو۔ (بخاری)

غصّے کا علاج: غصہ آنا چونکہ فطرتِ انسانی ہے، اس لحاظ سے غصّہ آنا کوئی بری بات نہیں، لیکن مومن کو حکم ہے کہ وہ اس کو لگام دے، چنانچہ قرآن و حدیث میں غصہ کا علاج بھی تجویز فرمایا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنی گزر چکی۔ ابو داؤد کی حدیث میں ارشاد ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان پیدا ہوا ہے آگ سے اور آگ بجھ جاتی ہے پانی سے سو تم میں سے اگر کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لیا کرے۔ (ابوداؤد)

دوسرا علاج اس طرح سے ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سے کسی کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ (احمد، ترمذی)

ہجرت یعنی اللہ کے لیے وطن چھوڑنا

(۶۵) اللہ کا بندہ اپنے رب کے حکموں کے پورا کرنے کا مکلّف ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے گن گائے، اس کا نام لے، اس کی عبادت کرے، خدانخواستہ کسی ملک کسی علاقے کسی زمین پر اگر خدا کا نام لینا، اُس کی عبادت کرنا، اُس کے حکموں پر چلنا محال اور ناممکن ہوجائے تو اس وقت اس بندۂ خدا پر ضروری ہے کہ وہ ہجرت کرجائے۔ اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلا جائے جہاں وہ اللہ کے حکموں پر چل کر انسانوں میں رشد و ہدایت کی محنت کرسکے۔ الغرض، دینِ اسلام پر عمل کے جذبے سے نقلِ مکانی کرنا جزوِ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ مَنۡ یُّھَاجِرۡ فِی سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرَاغَماً کَثِیۡراً وَ سَعَةً" الآیة

جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۂ نساء، ۱۰۰)

"اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰھُمُ الۡمَلاۤئِکَةُ ظَالِمِیۡ اَنۡفُسِھِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَا کُنۡتُمۡ" الآیة

جو لوگ اپنے جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے، یہ جواب دیتے ہیں، ہم اپنی جگہ مغلوب اور کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں، اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کرجاتے، یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بڑی بری جگہ ہے۔ (سورۂ نساء، ۹۷)

آیاتِ پاک سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دار الکفر سے ہجرت فرض ہے، دار الکفر جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہلِ کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔

۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہجرت منہدم (ختم) کردیتی ہے ہجرت سے پہلے کے سارے گناہوں کو۔ (مسلم)

۲) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے مسلمانوں سے بہتر مال بکریاں ہوں گی، جن کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوا، پہاڑوں کی چوٹیوں میں گزرتا ہوا، بارش کے موقعوں پر اپنے دین کے لیے بھاگا پھرتا ہوگا تاکہ کسی طرح شرو فتنہ سے اپنے آپ کو بچا جاسکے۔ (بخاری)

۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے، آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہجرت کی۔ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی پس اس کی ہجرت اس کے لیے ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (بخاری)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(٦٦) 'اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو' یہ وہ دعائیہ کلمہ ہے جو ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے ملتے وقت کہتا ہے، اور دوسرا اس کا جواب 'وعلیکم السلام' کے ذریعے دیتا ہے۔ یہ سلام کرنا اور اس کا جواب دینا جزوِ ایمان ہے۔

'السلام' ایک بابرکت کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ہے، اس حیثیت سے یہ کلمہ ذکر اللہ کے اعلیٰ مفہوم کو شامل ہے۔ نیز اس کے معنی چونکہ سلامتی کے ہیں اس لیے یہ ایک کامیاب دعا ہے، جس میں سلامتی کا اللہ ربّ العزّت سے سوال ہے، ظاہر ہے سلامتی مل جائے تو سب مل گیا، اس بابرکت کلمے کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ یہ لفظ جنتیوں کا نعرہ ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہوا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ" (سورۂ یونس، ۱۰) اور جنتیوں کا باہمی سلام ہوگا 'السلام علیکم'۔

"وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ" (زمر،۷۳)

اور وہاں (جنت) کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو، تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔

"وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا" (سورۂ نساء، ۸۶)

اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

سلام کرنے والے کو بہتر جواب دینے کا حکم ہے۔ اس کا بہتر طریقہ حدیث وتفسیر میں اس طرح آیا ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ اور السلام علیکم و رحمۃ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ دینا چاہیے۔ (ابنِ کثیر)

۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے: السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں، السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہنے پر بیس نیکیاں اور السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہنے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (احمد)

۲) ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک کامل الایمان نہ بن جاؤ، اور تم ہرگز کامل الایمان نہیں بن سکتے جب تک کہ آپ میں ایک دوسرے سے للہ فی اللہ محبت نہ کرنے لگو اور میں تم کو بتاؤں اگر تم ایسا کرنے لگو تو تم آپس میں محبت کرنے والے بن جاؤ گے۔ سو تم آپس میں ایک دوسرے کو خوب سلام کرو۔ (بخاری)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

(۶۷) حقوق کی دو قسمیں ہیں؛ ایک ہے حقوق اللہ، دوسرا ہے حقوق العباد۔ حقوق اللہ میں سب سے اہم حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ صرف اسی کی عبادت ہو۔ اس کے برابر کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس طرح حقوق العباد (بندوں کے حق) میں سب سے اہم اور مہتم بالشان حق والدین کا ہے۔ ماں ماں باپ کے حقوق سب سے زیادہ

ہیں۔ اس کی عقلی و شرعی وجہیں بہت سی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ دنیا میں ہمارے وجود کا ذریعہ یہی ہیں۔ پھر پال پوس کر بڑا کرنے کا سہرا بھی انہی ہستیوں کے سر ہے۔ وہ کون ہے جس نے شیر خواری کی عمر میں ہر طرح کے نرم گرم کو جھیل کر اپنی نیندیں قربان کر کے آرام و راحت تج کر پرورش و پرداخت کی۔

الغرض، ماں باپ کے لاتعداد احسانات ہیں۔ چنانچہ زبانِ نبوی ﷺ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو کمال ایمان کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً" الآية

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دیتا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ اُنھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو دراز رکھنا اور دعاء کرتے رہنا کہ اے میرے رب! ان پر ایسا ہی رحم کر جیسا انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش میں کی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل، ۲۵)

۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بڑھ کر عمل کون سا ہے؟ فرمایا: نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ انھوں نے پھر سوال کیا: پھر کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا (ان کی خدمت کرنا)۔ انھوں نے پھر سوال کیا: پھر کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد کرنا اللہ کے راستے میں (بخاری ومسلم)

۲) ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی)

کفن ودفن اور نمازِ جنازہ میں شرکت علاماتِ ایمان

(۶۸) کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے تو دوسرے مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کے کفن دفن اور نمازِ جنازہ کی تیاری میں تعاون کرے اور ایسا کرنا حکمِ شریعت کے ساتھ ساتھ کمالِ ایمان کا ذریعہ بھی ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو فکرِ آخرت پر بار بار متوجہ کرتا ہے، میّت کی تجہیز و تکفین، اس کا نہلانا، دھلانا پھر اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا، قبرستان تک اس کو کندھوں پر اُٹھا کر لے جانا، پھر قبر میں اُتارنا، قبر بند کرنا، یہ سارے وہ مناظر ہیں جو ایک غافل انسان کی غفلت دور کرکے فکرِ آخرت پر کھڑا کرنے کا عظیم ذریعہ ہے۔ گویا میّت نہلانے دھلانے، کفن پہنانے اور کندھوں پر اُٹھا کر قبرستان تک لے جانے والوں اور قبر میں اُتارنے والوں کو زبانِ حال سے کہہ رہی ہوتی ہے 'آج میری کل تمہاری باری ہے۔ بھئی کرلو جو نیکیاں کرنی ہیں'۔

لیکن یہ سارے دِل دہلانے دینے والے مناظر جس کا مقصد شریعت نے سبق وعبرت رکھا تھا، شیطان نے ہماری نگاہوں سے ایسا اوجھل کردیا کہ وہ سارا منظر وقتی ہو کر رہ گیا۔ ہم قبرستان سے آئے، گھنٹہ دو گھنٹہ متاثر رہے پھر تیجا، دسواں، چالیسواں کا پروگرام بنانے بیٹھ گئے۔ پھر کیا ہے صاحب، تیاریاں شروع، مہمان آرہے ہیں، بچے عورتیں رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوث۔ لگتا نہیں کہ اس گھر سے ابھی تین دن قبل کوئی میّت اُٹھی تھی۔

۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلے صرف ثواب وایمان کی نیت سے پھر اس پر نماز (جنازہ) پڑھے، اور اس کے دفن سے فارغ ہوجائے تو وہ شخص دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔ اور جو شخص صرف نمازِ جنازہ پڑھے اور بغیر دفن میں شریک ہوئے آجائے تو اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا۔ (بخاری ومسلم) (ایک قیراط احد کے پہاڑ کے برابر ثواب رکھتا ہے۔)

۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی

اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔ (مسلم)

ادائے شہادت (گواہی) جزوِ ایمان

(۶۹) ادائے شہادت جس کو ہم گواہی کہتے ہیں انسان کی یہ وہ ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنا اللہ و رسول کا حکم لازمی ہے۔ یہ حق کے پروان چڑھانے کی کوشش کا نام ہے۔ سچی گواہی انسانی صفات میں وہ عظیم الشان صفت ہے جس کو اپنا کر انسان اعلیٰ کردار کا عملی ثبوت دیتا ہے۔ الغرض سچی گواہی دینا چاہے اس کے لیے جو بھی قربانی دینی پڑے یہ جزوِ ایمان ہے۔حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنَ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ، اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْراً فَاِنَّ اللّٰهَ اَوْلٰى بِهِمَا ، فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوٰىٓ اَنْ تَعْدِلُوْا، فَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْراً" نساء۱۳۵

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودیٔ مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمھارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اس لیے تم خواہشِ نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی (یعنی جھوٹی گواہی سے) یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

۱) حضرت زید بن خالدؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کو خبر نہ کردوں اچھے گواہ کی، یہ وہ شخص ہے جو گواہی دے دے گواہی کی درخواست کرنے سے پہلے۔ (مسلم)

۲) خریم بن فاتکؓ سے ابو داؤد میں روایت ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ" (سورۂ حج،۳۰) پس تمھیں بتوں کی گندگی سے بچتے

رہنا چاہیے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

۳) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دعویٰ کرے ایسے حق کا جو واقع میں اس کا نہ ہو سو وہ شخص ہم میں سے نہیں رہا اور اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (مسلم)

نذروں کا پورا کرنا علامتِ ایمان

(۷۰) نذر یعنی مانی ہوئی کوئی بات جسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمادی تو ہم پانچ روزے رکھیں گے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں گے۔ اس طرح کے نذر کا پورا کرنا ضروری اور جزوِ ایمان ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْماً کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْراً" (سورۂ دہر، ۷)

نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی بڑائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔

"وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ" (سورۂ حج، ۲۹) اپنی نذریں پوری کریں۔

ان آیتوں سے واضح ہے کہ نذریں پوری کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ نذرِ معصیت یعنی گناہ کی نذر نہ ہو جیسے کسی کے نام کی چوٹی رکھنا، بالی پہننا، کسی مزار پر غلاف بھیجنا، شیخ سدو کا بکرا ذبح کرنا، مشکل کشا کا روزہ رکھنا، بڑے پیر کی نیاز بنانا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نذر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرنا چاہیے) اور جو نذر کرے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا تو یہ نذر پورا نہ کرے (یعنی نافرمانی نہ کرے)۔ (بخاری)

ذکر اللہ علامتِ ایمان

(۷۱) اللہ تعالیٰ خالق و مالک، رحیم و کریم اپنے بندے پر شفیق و مہربان ہے۔ بندوں کے سارے کام اللہ ہی بناتے ہیں، عزّت و ذلّت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ایمان جیسی نعمتِ لازوال بغیر کسی استحقاق کے وہی دینے والا ہے۔ پریشانی و اضطراب میں وہی دعائیں سنتا اور کام بناتا ہے۔ مصیبتوں میں وہی صبر دیتا ہے ورنہ کمزور انسان اپنا توازن کھو بیٹھے۔ الغرض، اس ذات کو یاد رکھنا، اس کے نام کا وظیفہ پڑھنا، ذکر اللہ ہے۔ یہ ایمان کی علامتوں میں عظیم علامت ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے :

"فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْ لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ" (سورۂ بقرہ،۱۵۲)

اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمھیں یاد کروں گا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔

آیت پاک میں ذکر کے ساتھ شکر کا تذکرہ فرما کر دونوں کے آپسی رشتے کو واضح کیا گیا ہے۔ جب ذکر کی توفیق ہوگی تو شکر بھی پایا جائے گا اور شکرانِ نعمت کے لیے جو کیفیت اپنائی جائے گی وہ ذکر ہوگی۔ ذکر کا مطلب ہر وقت ہر حال میں اللہ کو یاد کرنا ہے اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔

"وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ، هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (سورۂ احزاب:۴۳-۴۱)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ وہی ہے جو تمھیں اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمھارے لیے دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے اُجالے کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور

مردہ کی سی ہے، (کہ جو ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال مردہ کی سی ہے)۔ (بخاری)

۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ کلام مت کیا کرو بجز اللہ کے ذکر کے۔ کیونکہ زیادہ کلام کرنا بغیر ذکر اللہ کے دل کو سخت کر دیتا ہے اور قیامت کے دن اللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور وہی ہوگا جس کا دل سخت ہوگا۔ (ترمذی)

۳) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کے لیے صیقل ہے اور دلوں کا صیقل ذکر اللہ ہے۔

دعا مومن کا ہتھیار ہے

(۴۷) 'اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ' یعنی دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ جس طرح انسان ہتھیار کے ذریعے اپنے دشمن سے بچاؤ کا سامان کرتا ہے، اسی طرح مومن دعا کے ذریعے اپنی حفاظت کا سامان کرتا ہے۔ الغرض اللہ کو پکارنا اس سے دعا کرنا شانِ مومن اور علامتِ ایمان ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ، اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ" (سورۂ مومنون، ۶)

اور فرمایا تمھارے رب نے کہ مجھ ہی کو پکارو میں تمھاری درخواست قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اس آیت پاک میں دعا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ اس میں دعاء کی قبولیت کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ تم دعا کرو میں دعا قبول کروں گا۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو لوگ تکبر کرتے ہیں اور اپنی بڑائی اور گھمنڈ میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی دعا سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہوکر جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ الغرض اس دربارِ عالی کا قانون یہ ہے کہ یہاں نہ مانگنا جرم ہے۔

"اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ" (سورۂ ہود،۶۲)

بے شک میرا رب بہت قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان سے قریب ہے اور ہر کسی کی سنتا اور قبول کرتا ہے اسی لیے روایات میں وارد ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سوال کیا، 'اَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْهِ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ" (کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ اسے زور سے پکاریں) تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

"وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ" (سورۂ بقرہ ۱۸۶)

اے پیغمبرؐ! جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ انھیں بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی پکار سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتے ہیں تو ان لوگوں کو چاہیے کہ میری بات مانیں اور مجھ ہی پر ایمان رکھیں تا کہ وہ نیک راستہ پائیں۔ (گویا دعا و انابت کے ذریعہ راہِ راست حاصل کیا جاسکتا ہے۔)

آیت کریمہ میں ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا و پکار کو سنتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو کسی ذریعہ، واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ تیسری بات یہ کہ دعا آہستہ مانگنی چاہیے کیونکہ دعا جب ایک طرح کی سرگوشی ہے تو چیخنے چلانے کی اور زور لگانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے کہ ہم جس سے مانگ رہے ہیں وہ تو قریب ہے۔

۱) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اس حال میں کہ تمھیں یقین ہو کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ (ترمذی)

۲) حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی دعا کو قبول نہیں فرماتے جو غافل اور لاپرواہ دل سے نکلتی ہے۔ (ترمذی)

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے

(۷۳) تجربات شاہدِ عدل ہیں کہ ترکِ دنیا سے روحانیت میں ترقی، ایمان میں گداز، عمل میں پختگی اور علم میں گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی ہے اور انسان دنیا میں ضرورت کی حد تک ہی مشغول رہنا پسند کرتا ہے، ترکِ دنیا سے دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بے شمار دینی و دنیوی فائدے ہیں، اس لیے دنیا میں دل نہ لگانا علامتِ ایمان ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ، وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (سورۂ نحل، ۹۶)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دنیا میں تمھارے پاس ہے وہ ایک روز ختم ہو جائے گا۔ (خواہ زوال سے ہو یا موت سے) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہے گا۔

"بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى" (سورۂ اعلیٰ، ۱۷-۱۶)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

"اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ، وَ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَاباً وَّ خَيْرٌ اَمَلاً" (سورۂ کہف، ۴۶)

اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق بنایا ہے اور اعمالِ صالحہ (ہمیشہ ہمیشہ) باقی رہنے والے ہیں، وہ آپ کے رب کے نزدیک یہ ثواب کے اعتبار سے بھی بدرجہا بہتر ہے اور اُمید کے اعتبار سے بھی بدرجہا بہتر ہے۔ یعنی اعمالِ صالحہ پر جو اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ آخرت میں پوری ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ ثواب ملے گا، بخلاف متاعِ دنیا کے کہ اس سے خود دنیا ہی میں اُمیدیں پوری نہیں ہوتیں، اور آخرت میں تو احتمال ہی نہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں میں ایمان والوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی نہ کھو جانا بلکہ اس سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہیں، جن کے مستحق اہلِ تقویٰ ہی ہوں گے اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو اگر یہ تمھارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین و دنیا

کی ساری بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لوگے۔

محبتِ انصار ایمان کا حصہ

(۷۴) صدق و صفا، اخلاص وللّٰہیت پرکھنے کی علامات بہت سی ہیں، ان میں ایک کسوٹی حضرات انصار سے محبت ہے۔ اور یہ محبت علامتِ ایمان اور شانِ مومن ہے۔

گروہِ انصار یہ وہ عظیم المرتبت جماعت ہے جس نے حضرات مہاجرین کی مثالی خدمت و نصرت کی تھی، جب خود سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپؐ کے ماننے والوں پر ان کی زمین (مکہ مکرمہ) اعدائے اسلام نے تنگ کردی تھی، اور یہ پاکباز جماعت وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئی تھی، یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے، وہاں جس گروہ نے ان کی مثالی نصرت و مدد کی وہ حضرات انصار ہیں۔ چونکہ ان کی یہ خدمت اس کھاد و پانی کی طرح تھی جو کمزور و ناتواں پودوں کے لیے ضروری ہوتا ہے چنانچہ ان کی محبت ہر اس شخص کے دل میں ہونا لازمی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کو ماننے والا ہے۔ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے:

"وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ"

اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزّت کی۔ (سورۂ انفال)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کی علامت و پہچان ہے انصار سے محبت، اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ (بخاری)

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک گروہ تھا جو اندر سے کافر تھا اور ظاہری طور پر مسلمان بنا ہوا تھا۔ ان کو منافق کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ حضرات انصار سے خاصا بیر رکھتے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ گروہِ منافقین اندر سے اسلام کے غلبے کے مخالف تھے۔ جب حضرات انصار نے مہاجرین کی مدد و نصرت کے ذریعے اسلام کی بنیاد مضبوط کی تو یہ مفسد گروہ جل اُٹھا اور ہمیشہ وہ

ان پاکبازوں سے جلتا رہا۔ چنانچہ ان کے حسد و جلن کے واقعات آپ ﷺ کے سامنے آتے رہے۔ اس وقت آپ نے حق کی پہچان کے لیے ایک کسوٹی طے فرمادی کہ جو انصار سے محبت رکھتا ہے کامل الایمان ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے اور خود آپ نے انصار سے مثالی محبت فرمائی۔ چنانچہ حدیث کی بیشتر کتابوں میں یہ روایت ہے

لوگ اگر ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں تو میں انصار والی وادی میں چلوں گا اور فرمایا انصار میرا جامہ دان ہیں۔ (بخاری شریف)
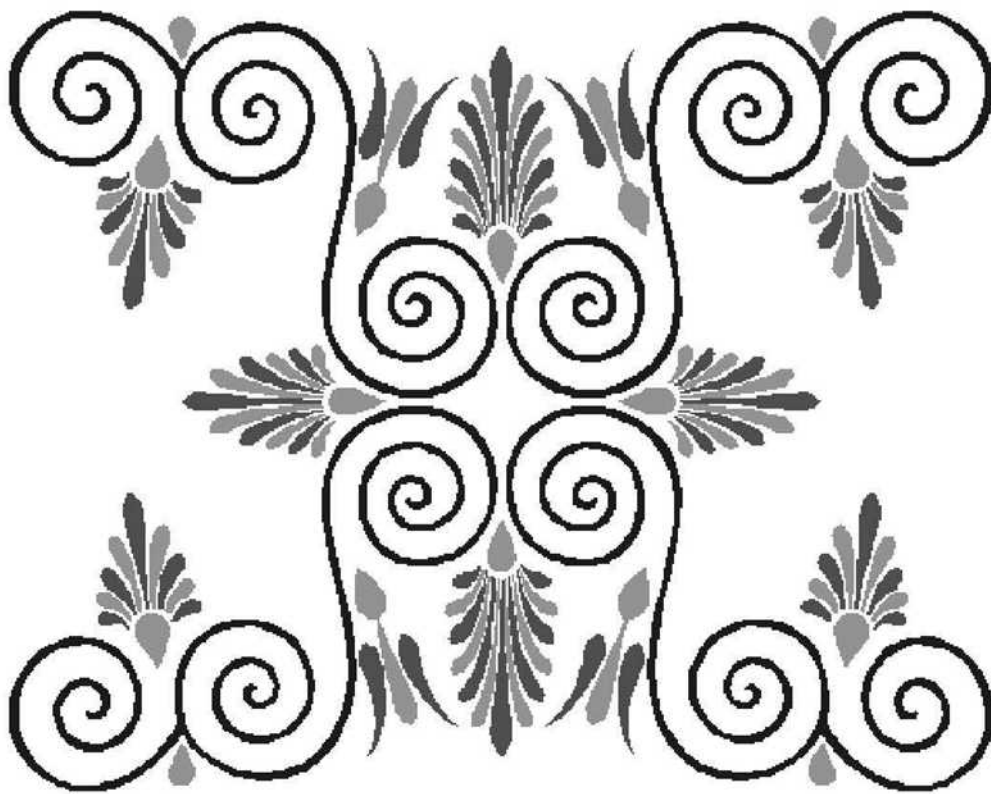
ہماری دیگر مطبوعات

۱۔ **مجموعۂ وصایا انبیاء و اولیاء :** تین سو اکہتر انبیاء و اولیاء، مجددین، مصلحین اور علمائے اُمت کے ان قیمتی نصیحتوں اور وصیتوں کا مجموعہ ہے جو ان قدسی صفات محبوبینِ خدا نے موت کے وقت یا آخری وقتوں میں اپنے اولاد و اخلاف سے کی ہیں۔ کتاب کا مطالعہ ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے۔

۲۔ **احادیثِ قدسیہ :** صنفِ حدیث میں یہ ان احادیثِ شریفہ کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ براہِ راست اللہ تبارک و تعالیٰ سے بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ محترم مفتی صاحب موصوف نے سات سو احادیث سے متجاوز حدیثوں کو یکجا کیا اور علمی، روحانی، الہامی ترجمہ و تشریح پیش فرمایا۔ احادیثِ قدسیہ کا اتنا بڑا مجموعہ پہلی بار اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ دو جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے۔

۳۔ **احکام و مسائل :** شعبان، رمضان، روزہ، تراویح، اعتکاف، عید و بقر عید، عشرۂ ذی الحجہ، مسائل و فضائلِ قربانی پر جامع اور منفرد ہے۔ موضوع سے متعلق تمام فضائل و مسائل، کتاب و سنت اور فقہ و فتاویٰ کی مدد سے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اب تک اسکے آٹھ ایڈیشن چھپ کر مقبولِ خاص و عام ہو چکے ہیں۔

۴۔ **کیمیائے درویشاں :** حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی حفظہ اللہ نے یہ کتابچہ اپنے بعض مریدین کے اصرار پر قلمبند فرمایا جس میں روزمرہ زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ اوراد و وظائف کا بیش بہا خزانہ کتاب و سنت کی مدد سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ کتابچے کا مطالعہ از حد مفید ہے۔

۵۔ **ذمہ دارانِ ملت سے چند صاف صاف باتیں :** 'الناس علی دین ملوکھم' کے تحت عوام کی سوچ اور انکی اصلاحی، دینی، دعوتی و تعلیمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ خواص اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دیں۔ کتابچے کے ذریعے خواصِ اُمت کو اُن کی ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں۔

۶۔ **مسلمانوں پر بلائیں کیوں آتی ہیں ؟** بلائیں اور مصیبتیں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، کبھی مصیبتیں ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتی ہیں کبھی بندۂ مومن کے بلندیٔ درجات کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ محترم مصنف نے کتاب و سنت کے حوالے سے دلاسہ اور تسلی کے ذریعے اعمالِ خیر کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

۷۔ **تلاوتِ کلام اللہ سے قبل استعاذہ کی حکمتیں :** ایک مفید جامع ترین کتابچہ ہے۔

۸۔ **شیطانی وساوس اور صراطِ مستقیم :** کتابِ ہٰذا میں اُن احادیث مبارکہ کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن میں ایک طرف زبانِ نبویؐ سے شیطانی وساوس کا پردہ فاش کیا گیا ہے تو دوسری طرف اُن سے بچنے کے راستے بتائے گئے ہیں۔ ۴۰ آیات اور ۳۰۰ سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

کتاب 'مجموعۂ وصایا انبیاء واولیا' اکابرِ اُمت کی نظر میں

''اس وصیت آمیز جامع خطبۂ نبوی اور 'وصایا انبیاء و اولیاء' کا تصنیفی صورت میں شرح و ترجمہ کرنا مصنف علام کے لیے خصوصی توفیقِ خداوندی ہے۔ یہ خطبہ و وصایا چونکہ بذاتِ خود عالمگیر صلاحیت وافادیت کی حامل ہیں، اس لیے راقم سطور بہ صمیمِ قلب دعاگو ہے کہ حق تعالیٰ اس ذخیرۂ فیض کو قبولیتِ عامہ اور مقبولیتِ تامہ ارزانی فرماکر، مصنف محترم کے لیے زادِ آخرت فرمائے۔''

(حضرت مولانا) محمد سالم قاسمی، مہتمم دار العلوم (وقف) دیوبند

''یہ مجموعہ قدیم و جدید اہلِ علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو اُمت کے لیے بیحد مفید ہے اور جس کی خواندگی سے نوجوان مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔ مولانا لائقِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ہزاروں صفحات کا مطالعہ جمع کیا۔''

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی، مفتی دار العلوم دیوبند

''کتاب 'مجموعۂ وصایا انبیاء واولیاء' جو مولانا محمد ثمین اشرف قاسمی زید فیضہ کی جدید ترین تالیف ہے، اس کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ کتاب کے مؤلف ہمارے مشائخ واکابر کے فیض یافتہ ہیں۔ نیز کتاب کے مآخذ مستند کتب حدیث وسیر ہیں۔''

(حضرت مولانا) محمد عاقل، شارح ابوداؤد وصدر مدرّس مظاہر علوم، سہارنپور

''مجموعۂ وصایا انبیاء واولیاء' انتہائی قابلِ قدر اور مفید معلومات کی حامل کتاب ہے۔ مرتب سلّمہٗ نے حضور نبی کریم ﷺ، انبیاء کرامؑ، حضرات صحابہؓ اور ان کے بعد کے ہر عہد کے علماء اور صلحاء کی وصایا کو یکجا کردیا ہے۔ ان کی یہ تالیف اپنے موضوع پر جامع اور مکمل بھی ہے اور مفید و معلوماتی بھی۔ اللہ پاک ان کی اس خدمت کو شرفِ قبولیت اور مقبولیت سے نوازے۔

مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی اعظم مہاراشٹر، ممبئی

سن ۲۰۰۴ء میں مذکورہ بالا کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا جسے بفضلہٖ تعالیٰ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مؤلف کتاب اس موضوع پر مسلسل کام کرتے رہے۔ الحمد للہ تقریباً اتنے ہی اسلاف واکابر کی مزید وصیتیں و نصیحتیں جمع ہوگئیں۔ اب یہ کتاب دو جلدوں میں بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

مولانا حافظ محمد رزین اشرف ندوی، پونہ